فرق الشیعہ

ڈاکٹر اسد ادریب

"ارشاد الاریب"

فرق الشیعہ

مُصنّفہ

ڈاکٹر اسد اریب

تشکر:

میں ان کتابوں کو انٹرنیٹ پر لانے اور انہیں برقی ذرائع کے سپرد
کرنے کے باب میں اپنے عزیز محترم ڈاکٹر کاظم حسین للابر اور
ان کے رفیق ذی قدر چودری نثار احمد کا بے حد شکر گذار ہوں کہ
ان دونوں صاحبوں نے ممکن سعی کی اور یہ تمام پر محنت طلب کام
بے طلب اور بے غرض ہو کر کیا۔

اسرار
۱۵/۵/۲۰۱۰

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

مُصنّف ــــــــــ ڈاکٹر اسد اریب

اشاعت اول ــــــــــ ۱۹۹۴ء

طابع ــــــــــ روحانی آرٹ پریس

قیمت ــــــــــ ۱۱۰ روپے

ملنے کا پتہ

بیکن بُکس ــــــ گل گشت ۔ ملتان

کتاب نگر ــــــ حسن آرکیڈ ملتان چھاؤنی

انتساب

اپنے مرحوم جنّت آشیاں باپ

حضرت احسن بدایونی

کے نام، جن کے فیضانِ نظر

نے مجھے آدمیّت بخشی:

فہرست

صفحہ

موضوعات :

۱۔ سید سجاد، حضرت علی ابن الحسین کا طرزِ عمل : تفریق شیعیت کے حوالے سے ۱۵

۲۔ مختار ثقفی کی تحریک انتقام : "ثارات الحسین" ۴۵

۳۔ کیسانیہ، کربیہ : بحوالہ جناب محمد ابن حنفیہ ۶۵

۴۔ زیدیہ، جارودیہ، سرحوبیہ : بحوالہ جناب زید بن علی بن الحسین ۸۷

۵۔ نفس زکیہ، ابو ہاشم، مغیرہ، بیان : بحوالہ تفریق : اولاد جناب حسن مجتبیٰ ۹۲

۶۔ اسمعیلیہ، بوہرہ، نزاری، مستعلی، قرامطہ، بہائیہ وغیرہ : بحوالہ اولاد حضرت جعفر صادق ۱۰۵

۷۔ وہ فرقے جو قصہ پارینہ بن چکے : بحوالہ تفریق شیعیت ۱۳۴

(ہشویہ، جوالیقہ، سالمیہ، بنانیہ، واقفیہ، لاادریہ

یونسیہ، نفیسیہ، زراریہ، مفضلہ، سرحوبیہ وغیرہ)

۸۔ اثنا عشریہ، اصل شیعیت : بحوالہ عقائد اور مباحث نظری، غیبت، اولوالباب ۱۵۸

روافض، شیخیہ، خالصیہ وغیرہ

۹۔ اشاریہ ۲۰۸

تعلیقات :

صاحب الشرطہ، عمر اطرف، مخنف، حرہ، اشتر

ابن جنگی دوست، قاسم بن محمد بن ابی بکر، مرجعہ، مرجیئہ،

ابن زبیر، عبداللہ بن جعفر، ابن زیاد، اھوازی، نص، حر عاملی

: اسماء واعلام ۲۲۴

ابتدائی سطور :

دنیا میں مذاہب و ملل کی تاریخ اس لئے لکھی گئی کہ اسے پڑھا جائے۔ کسی بھی طرح کے واقعات کا لکھنا اور تاریخ کا قلمبند کرنا' اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعے فرقوں' ملتوں یا افراد اور اداروں کے کمزور پہلو نکال کر' ان کے حریف یا مخالف لوگوں کو خوشی کا سامان فراہم کیا جائے۔

تاریخی کتابیں اور واقعات' ہماری فراست عقل کو بڑھاتے ہیں اور ان معاملات و مسائل کے سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں جو ہمیں درپیش ہوں۔ عقیدہ ایسے ہی اہم معاملات میں سے ہے جس پر ہم جان دے سکتے ہیں جو ہماری انا اور ہماری شناخت ہے' بلکہ اس اہمیت سے بھی کہیں زیادہ یہ کہ ہمارے اعمال کے قبول اور رد کی بنیاد اسی عقیدے پر قائم ہے۔ جب یہ صورت حال ہو تو بھلا کوئی کیوں کر یہ کہہ سکے گا کہ اسے عقائد و ایمان' اور مسلک و مذہب کے بارے میں مزید معلومات کی ضرورت نہیں۔

فِرَق الشیعہ لکھنے کی بنیاد بھی اسی خواہش پر قائم ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کی تحریک اس وقت سے تھی' جب سے' ابوالحسن الاشعری ۳۲۴ھ کی کتاب "مقالات الاسلامیین" اور حسن بن موسی (۳۱۰ھ) نو بختی کی "فرق الشیعہ" دیکھی تھی۔ ان مورخوں نے' بہت تفصیل کے ساتھ اسلامی

فرق و ملل کا تجزیہ کیا اور ایسا ہی تذکرہ محمد بن عبدالکریم (۵۴۸ھ) نے کتاب "الملل والنحل" میں کیا۔ الملل والنحل' مذکورہ الصدر دونوں کتابوں سے زیادہ جامع ہے۔

ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) کی کتاب "مقالات الاسلامیین" ہے۔ ابوالحسن بن علی بن اسمٰعیل' اہل سنت کے علم کلام کا بانی ہے۔ اپنی اس کتاب میں اس نے اسلامی فرقوں' شیعہ' خارجی' مرجئ' معتزلی' مجسمہ' ضراریہ' جہمیہ اور اہل سنت کے عمومی عقائد پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔

نوبختی : حسن بن موسیٰ ۳۱۰ھ کے قریب تر جس کا زمانہ وفات ہے' شیعہ اثنا عشریہ کا ایک جید عالم تھا۔ کتاب "فرق الشیعہ" اس کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں نوبختی نے' شیعہ عقائد میں ہونے والی تقسیم کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ کہیں کہیں وہ اس تفریق کا تجزیہ بھی کرتا ہے۔ امامت کے مسئلے میں اختلافات کو وہ اس تفریق کا اصل باعث قرار دیتا ہے۔ میری اس کتاب کا موضوع بھی یہی ہے۔ میری رائے میں مسئلہ امامت کے اختلاف کے سوا اور کوئی واضح سبب اس تفریق کا ہرگز نہیں۔ اسی بات کو شہرستانی نے بھی قبول کیا ہے۔

کتاب الملل والنحل : محمد بن عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کی نہایت عمدہ تصنیف ہے۔ مسلمانوں' ہندوؤں' عیسائیوں' صابئین (ستارہ پرستوں) تقریباً تمام ہی ملتوں کا تذکرہ اس کتاب میں ملتا ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان ہونے والی تفریق کا حال بڑی باریک بینی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ البتہ تفصیل اس قدر نہیں ملتی جس قدر چاہئے تھی۔ اسمعیلیہ وغیرہ کا

تذکرہ سرسری سا ہے۔ اس کتاب میں شیعہ، خوارج اور مُرجیہ کا حال اور ان کے درمیان ہونے والی باہمی تقسیم کو نہایت سلاست سے بیان کیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ بہت طویل ہے۔ خاص طور پر اس کے چوتھے باب میں ان اختلافات کا تذکرہ بڑی اہمیت رکھتا ہے جو پیغمبراسلام ﷺ کی وفات کے وقت عین لمحاتِ آخر میں مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوئے۔ یہ وہی اختلافات تھے، جو بعد میں مسلمانوں کے درمیان سیاسی و مذہبی تفریق و تقسیم کا باعث بنے۔ شہرستانی نے اپنے اسی تجزیے میں خلافت و ملوکیت کے حصول کو مسلمانوں کے درمیان اسلامی فرقوں کی بنا قرار دیا ہے۔ میں نے بھی ضرورت اسی امر کی محسوس کی کہ شیعہ فکر کی عہد بہ عہد تبدیلیوں، اضافوں اور باہم مخالفتوں کا جائزہ لوں تاکہ ائمہ طاہرین کے روشن، پاکیزہ، علم و عمل، تقوے اور خدا ترسی والے کردار کو سمجھانے میں آسانی ہو سکے۔ میری اس تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ حصولِ اقتدار، انقلاب اور تصادم کی اس تاریخ میں اہل بیت کے نمائندہ افراد، ان ائمہ کرام نے دنیاوی کسی تحریک سے وابستگی قائم نہیں کی۔ یہی سبب تھا کہ ہر زمانہ، ان کے اعلیٰ انسانی اخلاق، نیکی اور علم کا معترف نظر آتا ہے۔ اپنے تو پھر اپنے ہیں، ان کے خلق و مروت، ضبط نفس، فراست ایمانی اور علم و عمل کا اعتراف کئے بغیر ان کے سخت ترین دشمن بھی نہ رہ سکے۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت یہ تاثر بھی ذہن میں تھا کہ بہت سی وہ باتیں سامنے آئیں گی، جن سے عامتہ الناس اب تک بے خبر تھے۔ ممکن ہے یہ باتیں جو انہوں نے کبھی اس سے پہلے نہیں سنیں اور انہیں اپنی سی نہیں

لکتیں' ان کے لئے ناگوار خاطر ہوں مگر اظہار و اقرار' تحریر و تصنیف کے معاملے میں میرا مسلک یہ ہے کہ ہمیں وہ باتیں ضرور کہنی چاہئیں جنہیں ہم سچ جانتے اور درست مانتے ہوں' لیکن کہنے کا طریقہ یہ نہ ہو جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے یا ان کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ یہ کتاب احتیاط اور اعتدال کے ہر پہلو سے عبارت ہے۔ عام عوام' جو یقیناً میرے طبقہ عقل کے لوگ ہیں خواص الناس سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں لہٰذا عام لوگ جو علم' مذہب اور اخلاق کے بارے میں دلچسپی رکھنے والے ہوں' ان کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھیں جن کا ان سے ذاتی تعلق ہے۔ "فرق الشیعہ" سے بھی میرے اس نقطہ نظر کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک اور بات' کتاب کے نام' لفظ فِرَق (فرقے کی جمع) کے بارے میں ہے۔ ہمارے ہاں عموماً یہ لفظ "فرقہ"" منفی اور ناگوار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے ذہنوں میں اس لفظ کے تاریک پہلو زیادہ روشن ہیں' حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ فرق کے قریب تر معانی تقسیم' قسم' جماعت اور گروہ کے ہیں۔ چنانچہ انہی معنوں میں فرق پر کام کرنے والے اہل تحقیق نے اس لفظ کا انتخاب کیا' اور یہی معانی میں نے یہاں مراد لئے ہیں۔

شیعیت' اسلام کی اس محکم تعبیر و تشریح کا نام ہے جو بعد پیغمبر ﷺ اہل بیت عظام نے کی۔ شیعوں کے نزدیک اسلام کی وہی تشریح قابل قبول ہے اور اسی کا نام شیعیت ہے۔ حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے بعد اسلام کی تشریح و تعبیر کا ایک رخ وہ بھی ہے' جسے مسند اختیار' حکومت اور

مقاصد ذاتی رکھنے والے بعض لوگوں سے وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں شیعہ فکر یہ ہے کہ جمیع مسلمین میں' اہل بیت نبی کی فضیلت مسلم ہے اور اس فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات دین' احکامات شرعی اور تشریح قرآن و سنت کے باب میں' اصحاب پیغمبر اور علماء امت' ان کے بعد آتے ہوں' چنانچہ شیعہ حضرات کے نزدیک ائمہ اہل بیت' معاملات دین میں سند آخر کا درجہ رکھتے ہیں' لہٰذا ان سے اختلاف رائے کرنا یا ان کے مخالف سمت کوئی بھی قدم اٹھانا' حق سے جدا ہونا ہے اور اسی علیحدگی کا نام فرق ہے۔ نوبختی' ابوالحسن اشعری اور شہرستانی وغیرہ نے اسی اعتبار سے' ان لوگوں کو علاحدہ کرکے دکھایا ہے جو بہ لحاظ مسلک' شیعان علی (اور ان میں سے بعض جو افراد اہل بیت) تھے' لیکن انہوں نے ائمہ اہل بیتؑ کی منشا کے برخلاف اقدامات کئے۔

مذاہب عالم کی تاریخ بتلاتی ہے' کوئی مذہب بھی بالکل ایسا نہ رہ سکا' جیسا کہ وہ تھا' یا جیسا کہ اسے ہونا چاہئے۔ خود "اسلام" کے طے شدہ اس سفر میں آپ از خود ملاحظہ کر سکتے ہیں' کس قدر احکامات کی تشریحات' آیات قرآنی کے معانی و مفاہیم' مسائل اصولی و فروعی میں کس قدر مختلف الخیال باتیں ہمارے سامنے آچکی ہیں اور کس قدر کم باتیں ایسی ہیں جن پر سب کا کامل اتفاق ہو۔ جب یہ صورت مرکزی دین کی ہو' تو اس سے وابستہ مسالک' فرق اور فقہی مذاہب میں اختلاف و انحراف کا کیا عالم ہوگا؟ ظاہر ہے زمانوں کا یہ سفر تشیع نے بھی طے کیا۔ اس طے شدہ سفر میں عہد بہ عہد کتنے مسلمات قائم ہوئے اور کتنے ہی عقائد شکست و ریخت کا شکار ہوئے ہوں گے۔ یہ بات صرف تشیع کی نہیں'

جہاں اجتہاد کا دروازہ ہر دم کھلا رہا۔ یہ بات فرقہ تسنّن کی بھی ہے' جہاں اجتہاد کا دروازہ بہت زیادہ کشادہ نہیں رہا۔ کسی ایک مسلمہ خیال اور مرکز فکر سے' منحرف اور مختلف ہوتے رہنا فطرت انسانی کا مقتضٰی رہا ہے۔ یہ کوئی نئی' انہونی یا حیرت ناک بات کبھی نہیں رہی۔ میں نے اس تجزیے میں ایسے نئے رجحانات کو بھی مدنظر رکھا ہے' جو عقیدے میں غلو یا تقصیر کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوئے اور ایسے مفروضہ معتقدات پر بھی توجہ دلائی ہے جو فی الاصل' اہل مذہب کی اخروی ضرورت نہ تھے۔ ان کا رشتہ' محض دنیا کے سماجی تقاضوں سے جا ملتا تھا۔

اگر میں یہ کہوں تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ یہ کتاب میں نے فقط اپنے لئے لکھی ہے۔ کوئی دوسرا بھی اگر اسے پڑھ لے تو محض اعتباری طور پر یہ حاصل کتاب ہو گا۔ درحقیقت فرق (ف۔رق) الشیعہ' اپنے عقیدے کو سمجھنے کی خود میری اپنی کوشش کا نام ہے۔

(ڈاکٹر اسد اریب)
حیدریہ روڈ۔ گل گشت ملتان

سید سجاد حضرت علی ابن الحسین کا طرزِ عمل

(تفریق شیعیت کے حوالے سے)

تفریق شیعیت کے حوالے سے
حضرت علی ابن الحسین کا طرز عمل :

کربلا کے واقعے نے اسلامی دنیا کی بنیادیں ہلا کے رکھ دی تھیں۔ نواسہ رسول اور ان کے اصحاب و اعزہ کا قتل جس سفاکی اور علی الاعلان تشدد کے ساتھ کیا گیا' اس کے بعد یہ بات بالکل قابل یقین اور عرب روایات کے عین مطابق تھی کہ واقعہ کربلا کا کوئی رد عمل سامنے آئے اور ظاہر ہے اس رد عمل کا گمان حضرت علی ابن الحسین پر ہی کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ قتیل کربلا امام حسین کے قریب تر وارث تھے۔ اس تمام تر ظلم' سفاکی اور درندگی کے عینی شاہد بھی تھے۔ ہاشمی خون ان کی رگوں میں تھا' بائیس تیئیس برس کی بھرپور جوانی بھی تھی' گویا حسین کے فرزند علی ابن الحسین (امام زین العابدین پیدائش ۳۸ھ) واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد سلطنت بنوامیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ اس سیاسی تناظر میں خود یزید بھی ان کی طرف سے خائف رہا' لیکن اس نے ان کے ساتھ مصلحتاً نرمی' التفات اور مہربانی کا رویہ اختیار کئے رکھا۔ ممکن ہے یزید نے امام کی طرف سے ظاہر ہونے والے عدم مزاحمت کے عمل' گوشہ گیری اور صرف نظر کو اپنے اس التفات آمیز سلوک کا نتیجہ جانا ہو' مگر فی الاصل ایسا نہ تھا۔ حضرت علی ابن الحسین کا سیاسی تدبر' یزید کے ذہن سے بہت آگے تھا۔ وہ یہ بات بہ خوبی جانتے تھے کہ بنوامیہ نے اپنے قرارِ سلطنت کی قسم

کھا رکھی ہے۔ وہ کسی طور بھی حکومت اور اقتدار کو اپنے ہاتھوں سے نکلنے نہ دیں گے۔ اس مقصد کی راہ میں آئی ہوئی ہر رکاوٹ کو اپنی راہ سے ہٹا دیں گے لہٰذا امام نے اپنے طرزِ عمل سے بنوامیہ پر واضح کر دیا کہ وہ کسی سیاسی اقتدار' حکومت' منصب اور دولت کے خواہاں نہیں۔ وہ اہل بیت کے تحفظ کو زیادہ سے زیادہ یقینی بنانا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں اہل بیت کا وجود نظریہ اسلام کی بقا کے لئے ضروری تھا۔ تاکہ وہ اطمینان بخش حالات میں تعلیمات دین کو عام کر سکیں' کیونکہ بنوامیہ کو اسلامی فلاح و بہبود سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں تو محض اپنے اقتدار اور سلطنت کے تحفظ کی غرض تھی۔ بنوامیہ کی ساری تدبیریں یہ بتلاتی ہیں کہ انہوں نے اسلام کا فروغ' بنوہاشم کا اقتدار سمجھ لیا تھا اور وہ اسی بات سے سخت خائف تھے۔ انہوں نے پہلے پہل اسلام کی سخت اور جان توڑ مزاحمت بھی اسی لئے کی تھی۔ جب یہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے قبول اسلام کی راہ سے' اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی تدبیر کی اور ہر دم زمامِ اقتدار کی آرزو کرتے رہے۔ کبھی کوئی موقع ایسا ہاتھ سے جانے نہ دیا جس کے ذریعے مسلمانوں یا اسلام کو زک پہنچائی جا سکتی ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے قیام کے فوراً بعد ابوسفیان نے حضرت علی ابن ابی طالب سے کہا : "خلافت تمہارا حق ہے۔ کہو تو اس حق کے حصول کے لئے مدینے کے گلی کوچے پیادوں اور سواروں سے بھر دوں؟" حضرت علی ان کے اس بھرّے میں نہیں آئے' وہ جان گئے' یہ پیشکش حُبِّ علی نہیں' بغضِ معاویہ کے مصداق ہے۔ حضرت نے جواب دیا : ابوسفیان : "تم اسلام کے دوست کب سے

ہو گئے؟" باپ کے بعد بیٹے کا زمانہ آیا' ابوسفیان کے بعد ان کے بیٹے امیر معاویہ نے مدینے کی خلافت اسلامیہ کے عین متوازی شام میں ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کرلی جو شہادت عثمان کے بعد اتنی سرکش ہو گئی کہ اس نے مسلمانوں کے اجتماعی فیصلے کو ٹھوکروں پر اُڑایا۔ جمہور مسلمین کے خلیفہ راشد کے خلاف تلوار اٹھالی اور پھر مسلمانوں کی ریاست کو خاندانی کنیز بنا کر اپنے گھر ڈال لیا اور اس طرح تقریباً ایک صدی تک بنوامیہ کے یہ لوگ' مسلمانوں کی قسمت کے سیاہ و سفید کے مالک بنے بیٹھے رہے۔ حالانکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت پہلے پہلے انہی نے کی تھی' جبکہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ پیغام رسالت لانے والا یہ شخص کیسا امین؟ اور کس قدر صادق القول ہے؟ کیونکہ بنوہاشم اور بنوامیہ' کوئی غیر نہ تھے۔ آپس کے لوگ تھے' لیکن بنوہاشم میں نبوت کا شرف اور ان میں سے رسالت پر کسی شخص کا سرفراز ہونا' بنوامیہ کے لئے زندگی بھر کا سوہان روح تھا۔

عبد مناف کی اولاد' عبدالشمس سے مکے کا اقتدار چھن جانا' اور ہاشم کی اولاد محمد ﷺ کے ذریعے اسلام کا بول بالا ہونا' انہیں ہرگز پسند نہ تھا۔ یہ کشمکش گویا اس باہمی رقابت کا نتیجہ بھی تھی جو بنوہاشم اور عبدالشمس کی اولاد میں مستقلاً چلی آتی تھی۔ اسی کشمکش کو سمجھنے کے لئے ذرہ ایک نظر اس شجرے پر بھی ڈال لیجئے :

قصی بن کلاب

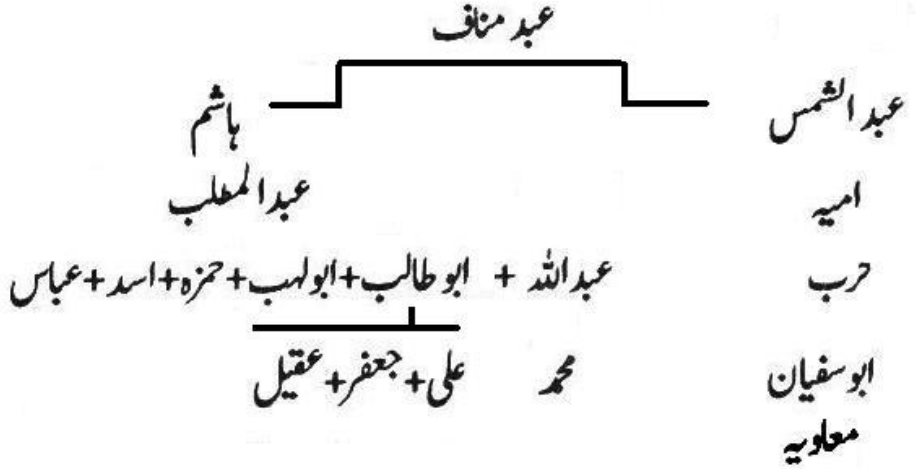

ہاشم اور عبدالشمس، عبد مناف کے بیٹے، باہم جڑے ہوئے پیدا ہوئے۔ ان دونوں کو جدا کرنے کے لئے عمل جراحی کیا گیا، جس کے نتیجے میں بہت خون بہا، عرب توہم پرست تھے۔ انہوں نے یہ خون بہنے سے، ان دونوں بھائیوں کی نسل میں خوں ریزی کا شگون لیا۔ بنوامیہ اور آل ہاشم کی یہ باہم مخالفت اسلام کے آغاز ہی سے دکھائی دیتی ہے۔ یہ دونوں قبائل ایک دوسرے سے یک جدی ہونے کے باوجود شدید مخاصمت رکھتے تھے اور یہ امر بھی بالکل روشن ہے کہ قبائل عرب اور صنادید مکہ میں بنوامیہ کا اقتدار نسبتاً زیادہ تھا۔ یہ لوگ تجارت، معیشت، سپاہ گری اور سیروسفر میں زیادہ ممتاز و منفرد تھے۔ کعبے کی نگہداشت سے متعلق کچھ اہم امور البتہ آل ہاشم سے وابستہ رہتے تھے لیکن یہ بھی آتے جاتے منصب تھے۔ ہمیشہ سے ان کے تصرف میں نہ تھے۔ بس اتنا ضرور ہے کہ امانت، دیانت، نیکی، بہادری، عفوودرگزر، عطا اور انعام کے معاملات میں ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا اور یہ ایسی بڑی عزت تھی جو بنوامیہ کے مقابلے میں، بنوہاشم کو ہمیشہ حاصل رہی۔ بنوامیہ کے اسلام لانے اور ان میں سے ایک

ایک کے مسلمان ہونے کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ یہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر دل و جان سے شیدا نہیں تھے۔ انہوں نے محض اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا' یہ بس اس وقت کے منتظر بیٹھے تھے جب انہیں ایسی طاقت میسر آ جائے جس کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں پر مکمل قبضہ کیا جا سکے۔ بالاخر ان کے خواب پورے ہوئے۔ (خواہ ادھورے سہی) ۶۰ ھ کے بعد یہ مسلمانوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے البتہ دین اسلام ان کے تصرف سے آزاد رہا' کیونکہ دین کو پناہ دینے والے' حسین جیسے بندگان حق ابھی موجود تھے۔

لہٰذا کربلا کے واقعے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رد عمل کو بنوامیہ اور بنوہاشم کے مابین نسلی کشمکش سے بالکل علاحدہ کرکے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔

سانحہ کربلا سے ایک عالم حیرت زدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ بہت سے تو ایسے تھے جنہیں ظلم و شقاوت کے یہ واقعات سن کر اس واقعے کا یقین بھی نہیں آتا تھا۔ خود ابن زیاد اور دیگر عمال بنوامیہ شہادت حسین کو اس طور پر بیان کر رہے تھے جیسے حسین کوئی باغی تھا جسے افواج یزید نے تہ تیغ کر دیا ہو۔ کربلا سے کوفے اور شام کے سفر میں اس قافلے کے بازاروں میں گزرنے تلک' لوگوں کو یہ بھی پورے طور پر معلوم نہ تھا کہ یہ اسیر کون ہیں اور انہیں قید کرکے کیوں لایا گیا ہے؟ واقعات کے اس تناظر میں امام زین العابدین کی سیاسی ذمہ داریاں اور بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کربلا کی حدود سے نکلتے ہی خطابت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ یزیدی سپاہیوں کی تلواریں سید سجاد کی نوک زبان کے آگے کند پڑ

گئیں۔

یہاں سید سجاد' حضرت علی ابن الحسین کے بارے میں اس امر کا تذکرہ بے حد ضروری ہے کہ عاشور کے فورا بعد ہی امام کا کربلا سے کوفے (بہ روایت بعض پیدل) آنا' راہ میں جابہ جا ٹھہر کر خطاب کرنا' خولی شمر' اور حرملہ سے اثنائے راہ بعض امور پر احتجاج کرنا' پھر کوفے پہنچ کر اگلے ہی دن کوفے کے بازاروں میں وہ ولولہ انگیز' پرجوش' خطیبانہ لذتوں سے بھرپور ایسی تقریریں کرنا جنہوں نے ظالم کوفیوں کو آنسوؤں سے نہلا دیا' ثابت کرتا ہے کہ امام ان معنوں میں بیمار نہ تھے' جیسا کہ ہمارے ذاکر اور خطیب عموما بیان کیا کرتے ہیں۔ امام کی ان تقریروں سے ابن زیاد کے چھکے چھوٹ گئے اور اسے ایسا خوف آنے لگا کہ اس نے اہل بیت کو جلد از جلد اسیر زنداں کر دیا (اعیان الشیعہ) پھر امام نے ایسے ہی پرجوش انداز میں ابن زیاد کے سامنے دربار کوفہ میں وہ یادگار تقریر کی' جس سے اہل دربار ابن زیاد کے خلاف بھڑک اٹھے۔ وہ امام کی اس تقریر سے ایسا خفا ہوا کہ اس نے قتل امام کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر جناب زینب کی جرات آڑے آئی۔ وہ ملعون قتل امام سے باز رہا۔ یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین ان معنوں میں بیمار تھے جس کا تذکرہ "مناقب" شہر آشوب (تصنیف بزرگ' علامہ محمد بن علی بن شہر آشوب) میں لکھا ہے کہ محرم کی دوسری تاریخ تھی کہ ہاشمی جوانوں اور دوسرے سپاہیوں کی طرح حضرت علی ابن الحسین نے بھی ہتھیار سجائے۔ زرہ پہن کر دیکھی' وہ زرہ کچھ بڑی تھی' جوش جوانی اور شوق جہاد میں (کہ امام کی عمر اس وقت ۲۲ ۔ ۲۳

برس سے کم نہ ہوگی) آپ نے زرہ کی کڑیوں کو ہاتھ سے توڑ مروڑ کر اس قابل بنانا چاہا کہ وہ اسے پہن سکیں۔ اس عمل کے دوران امام کے ہاتھ زخمی ہوئے۔ بہت خون بہہ گیا۔ اس لئے روزِ عاشورا جنگ کے قابل نہ تھے۔

کربلا سے کوفے کی راہ کا سفر اور کوفے میں قیام کے چند روز' امام کی سیاسی فتح کے دن تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دشمن کو خود اس کے مورچے میں گھس کر کس طرح مار ماری جاسکتی ہے۔ یہ بھی عجب طرح کا سیاسی معرکہ تھا۔ بنوامیہ امام کو مارنا بھی نہ چاہتے تھے مگر ان کے وجود سے خائف بھی تھے۔ وہ کربلا میں کی ہوئی اپنی غلطیوں کے زخم ابھی چاٹ رہے تھے اس لئے علی ابن الحسین کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرات ان میں نہ تھی۔ بنوامیہ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر امام اپنے جادہ مقصد کی طرف گامزن رہے اور یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ان کے پدر عالی قدر کا مقصد' حصول اقتدار نہ تھا۔ وہ تو بس دین کی ان اعلی اقدار کا فروغ چاہتے تھے جنہیں بنوامیہ کا نشہ اقدار مائل بہ زوال کرنے پر آمادہ تھا۔ چنانچہ حسین کے اس فرزند جلیل نے حسینی شہادت کے اس پہلو کو اپنی تمام تر بقایا زندگی کا نصب العین بنالیا۔ انتقام' نفرت' بغض اور کینے کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیا۔ بنوامیہ سے بغاوت و نفرت کی کسی مہم جوئی اور عبداللہ بن زبیر سے مخاصمت کی کسی تحریک میں شرکت نہیں کی بلکہ امیر مختار کی انتقام خون حسین کی تحریک سے بھی اپنی عملی وابستگی کا کوئی اظہار نہیں کیا۔

واقعہ کربلا کے بعد عبداللہ بن زبیر کی ترغیب و تحریص پر' مدینے کے لوگوں نے یزید کے خلاف شورش کی۔ بنوامیہ چن چن کر مارے جانے لگے تو

مروان بن الحکم امام عالی مقام کے پاس آیا اور امان مانگی۔ آپ نے ازرہ ترحم اسے اور اس کے خاندان کو اپنی خاندانی جاگیر یَنْبُع میں بھجوا دیا (بحوالہ طبری)۔ انہی دنوں جب فتنہ و فساد حد سے گزرا اور صورت حال' حضرت کے اختیار و اصلاح سے باہر ہوئی تو آپ اپنی مزروعہ زمین "عقیق" کی طرف چلے گئے۔ عبداللہ بن زبیر اور امیر مختار کی اس تحریک سے وہ قطعاً لاتعلق رہے۔ (بحوالہ طبقات ابن سعد) تقریباً یہی صورت احوال واقعہ حرہ میں پیش آئی۔ جب یزید کی افواج نے ۶۳ ھ میں عبداللہ بن زبیر کے خلاف مدینے پر حملہ کیا۔ مردوں کو غلام بنایا۔ عورتوں کی عصمتیں لوٹ لیں' قتل و غارت کا ایسا بازار گرم کیا کہ کسی کو جائے امان نہ ملتی تھی' لیکن مسلم بن عقبہ جیسا جابر' تند خو اور بے رحم جرنیل بھی اس موقعے پر حضرت امام زین العابدین کے امن پسندانہ کردار کا معترف رہا۔ جب لوٹ مار کی آگ ٹھنڈی پڑی تو آپ' مسلم بن عقبہ کے پاس آئے۔ تو وہ احتراما کھڑا ہو گیا اور بولا آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے۔ امام نے اس موقعے پر بہت سے لوگوں کو معافی دلوائی' قیدیوں کو چھڑوایا اور کئی کا ضبط شدہ مال واپس دلوایا۔ (مروج الذہب مسعودی)

بنوامیہ کے جرنیل مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر نے ۶۳/۶۴ ہجری میں جب مکے و مدینے کو عبداللہ بن زبیر کے تسلط سے نکالنے کے لئے لشکر کشی کی' تب بھی آپ کمزور لوگوں' قیدیوں اور بے قصوروں کی مدد کے لئے آگے بڑھے اور نہ صرف یہ کہ ان مقامات کے لوگوں کو ان سپاہیوں کے ظلم و ستم سے نجات دلوائی بلکہ حصین بن نمیر' جب یزید کی موت کی خبر سن کر مکے سے

سراسیمہ بھاگا' اس بے دست و پائی کے عالم میں بھی اس کی اور اس کے جانوروں کی غذا اور چارے سے مدد کی۔ مسعودی نے اس واقعے کی تفصیلات لکھتے ہوئے کہا ہے کہ جب حصین بن نمیر مکے سے نکلتے ہوئے راہ میں بے حال ہوا' تمام رسد اس پر بند تھا' غذا' جانوروں اور انسانوں کی اس کے پاس بالکل نہ رہی' اسی راہ سے کہیں امام کا سامان تجارت' اجناس غلہ اور چارا جاتا تھا۔ امام نے اپنے سامان سے اس تباہ حال بھوکے پیاسے لشکر کی مدد کی۔ غور کیجئے کیا یہ ویسا ہی طرز عمل نہیں جیسا کہ حضرت امام حسین نے راہ کربلا میں حر کے ساتھ کیا تھا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ حصین ابن نمیر سید الشہداء کے قاتلوں اور ان دشمنوں میں سے تھا جنہوں نے کربلا میں ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ حصین بن نمیر پر امام کا یہ ترحم سیاست کا ایک اہم موڑ تھا۔ اگر امام کی جگہ کوئی اور مہم جو' اقتدار کا طالع آزما ہوتا تو اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا مگر امام نے محض انسانی ہمدردی سے کام لیا' حالانکہ حصین بن نمیر نے امام کو ترغیب دی کہ یزید کی موت کے بعد اقتدار پر قبضہ آپ کے لئے بہت آسان ہے' مگر امام نے سنی ان سنی کر دی اور اس پیشکش کو بالکل اسی طرح سنا جیسے امام کے جد بزرگ جناب امیر نے خلافت ابوبکر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لئے' مروان کی دعوت فکر کو سنا تھا۔ امام علی ابن الحسین کا یہ اقدام بنو ہاشم کے اسی سیاسی تدبر کے بالکل عین مطابق تھا جسے بعد رسول حضرت امیرالمومنین نے وضع کیا۔ حضرت امیر نے تینوں خلفاء سے کوئی تصادم مول نہیں لیا' ان کے ساتھ اصولی مفاہمت جاری رکھی امور شرعی میں' معاملات قضاہ میں' عدل و حکمت کے مسئلوں میں مشاورت و شرکت

سے کبھی گریز نہیں کیا۔ جناب امیر کی اس حکمت عملی کی بنیاد محض یہ نظریہ تھا کہ اہل بیت پیغمبر کا سب سے بڑا فریضہ رشد و ہدایت ہے وہ بعد پیغمبر دین کے امین اور سنت پیغمبر کے امانت دار ہیں۔ ان کا اصل ہدف تخت حکومت نہیں ،مسند علم و حکمت ہے۔ یہی منشور حضرت علی ابن الحسین کے مد نظر رہا' حالانکہ اس ہدف سے انحراف کے لئے امام کو کئی مواقع پیش آئے مگر ان کے جادہ استقامت میں ذرہ بھر بھی لغزش نہیں آئی۔ وہ ہمیشہ حکومت سے علاحدہ' اقتدار سے گریزاں اور جاہ و منصب کی خواہش سے دور دور رہے اور ہر طرح ایسی کشمکش سے اپنے آپ کو بچائے رکھا حتی کہ بہت قریب تر بھی جب یہ شعلے بھڑکے' اپنے دامن تک اس آگ کو پہنچنے نہ دیا۔

امام اس حساس صورت حال میں سیاسی گروہ بندی سے ہر طرح لاتعلق رہے' چنانچہ اس لاتعلقی کا مکمل حال طبقات ابن سعد میں لکھا ہے۔ اس محتاط سیاسی زندگی کی مثال اس واقعے سے ثابت ہوتی ہے۔ "یزید کی موت کے بعد جب کوفے کے لوگوں نے ایک طرفدار اہل بیت عامر بن مسعود ثقفی کی سربراہی میں انقلاب برپا کر دیا اس موقعے پر جناب مختار ثقفی نے امام زین العابدین (حضرت علی ابن الحسین) سے اس تحریک کی قیادت قبول کرنے کے لئے کہا اور لوگوں سے ان کے نام کی بیعت چاہی۔ حضرت نے انکار کیا' تب اس نے جناب محمد ابن حنفیہ کے نام پر بیعت لی' چونکہ اس معاملے کا براہ راست تعلق عبداللہ ابن زبیر سے بھی تھا۔ جب انہوں نے امام کا یہ رویہ معلوم کیا تو وہ بہت مطمئن ہوئے اور اس واقعے کے بعد انہوں نے امام سے کبھی تعرض نہیں کیا بلکہ

عبدالملک، مصعب اور ولید بھی امام سے کبھی دو بہ دو نہیں ہوئے۔

امیر مختار کی یہ تحریک انتقام خون حسین کے لئے تھی۔ ظاہر ہے امام کو اس کا موءید و مونس ہونا چاہئے تھا لیکن عملاً اس تحریک میں وہ کبھی شریک نہیں ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عمل اور ردعمل کا یہ سلسلہ جاری رہنے سے آل محمد پر براہ راست زد پڑے گی۔ قتل، انتقام، جبر اور مزاحمت کے اس عمل میں دین کی تبلیغ اور ارشاد و ہدایت کا کارواں رک جائے گا۔ شرح دین و توضیحات مذہب کی جو جہتیں ابھی باقی رہ گئی ہیں، آل محمد اگر حکومت وقت کے ساتھ برسرپیکار ہوں یا مزاحمتی طرز عمل اختیار کریں تو وہ شرحیں ناتمام اور جہتیں ناپید رہ جائیں گی، البتہ جناب مختار کی اس تحریک کے آغاز سے انجام تک امام نے اپنے لئے تسکین قلب ضرور محسوس کی ہوگی مگر یہ احساس ایک ایسا منطقی تقاضا تھا جو ظالم کو اس کے اعمال کی سزا ملنے پر ہر مظلوم محسوس کرتا ہے۔ امیر مختار کی اس تحریک سے امام کا جذباتی تعلق ضرور قائم ہوتا تھا لیکن اس کے ساتھ ان کا سیاسی و عملی رشتہ خود کبھی حکومت وقت (عبدالملک ۶۶ھ، عبداللہ بن زبیر ۶۴ھ تا ۷۲ھ، مصعب بن زبیر ۶۷ھ، ولید بن عبدالملک ۹۶ھ) نے بھی محسوس نہیں کیا۔

امیر مختار کی تحریک سے امام کو اپنی لاتعلقی ثابت کرنے کی سیاسی ضرورت بھی تھی۔ معاویہ بن یزید، مروان بن الحکم، عبدالملک، ولید اور ہشام بن عبدالملک سمیت تقریباً پانچ چھ سیاسی طالع آزماؤں اور برسراقتدار قوتوں کو اس امر کی یقین دہائی کرانا بھی اس ضرورت کا ایک لازمی عنصر تھا کہ وہ (امام) کسی طور

بھی حصول اقتدار اور طلب حکومت کی اس آویزش میں شریک نہیں اور نہ انہیں کسی کے اقتدار میں رہنے اور نہ رہنے سے کوئی دلچسپی ہے۔ وہ محض تبلیغ دین، درس و تدریس اور ذکر و فکر عبادت میں مشغول رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ امام نے اپنے مستحکم، مستقل اور واضح طرز عمل سے ان تمام حکمرانوں کو اس امر کا یقین دلا دیا کہ وہ طالع آزمائی کے اس سیاسی کھیل میں شریک نہیں۔ نہ دامے، نہ درہمے، نہ سخنے، نہ قدمے۔ سیاست اور اقتدار کے اس الٹ پھیر، تخت و تاج کی اس رسہ کشی میں ہر طرح کی آلودگی سے ان کا دامن پاک ہے۔

اس عہد کا سیاسی مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ غیر جانبدار رہ کر یہاں زندہ رہنا کتنا مشکل تھا؟ لیکن امام نے نہ صرف یہ کہ شہادت حسین کے بعد اپنے آپ کو بنوامیہ کے حرص و آز سے بچا لیا بلکہ اپنی بے مثال نیکی، صبر و استقامت، عالی حوصلگی سے یہاں تک متاثر و مرعوب بھی کیا کہ وہ بسا اوقات امام کے اکرام و احترام پر مجبور محض نظر آنے لگے۔ امام کا سب سے بڑا بدخواہ حجاج جو ولید بن عبدالملک کا مختار کل تھا، کسی طور بھی یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا کہ امام کا کوئی ذرہ سا بھی تعلق عبدالملک یا ولید کے دشمنوں سے ہے، حالانکہ اس دور میں حجاج جب، جو اور جیسا چاہتا تھا کر گزرتا تھا۔ سعید بن جبیر کے قتل کا واقعہ بھی اس کی من مانی اور حکومت پر اس کی مضبوط گرفت کو ثابت کرتا ہے۔ اس کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اس کے مقابلے میں سعید بن جبیر، عبدالرحمٰن ابن اشعث کی طرف مائل ہوں۔ جب سعید کو اس نے اس بات پر بہت تنگ کیا، وہ مکے میں جا رہے۔ حجاج نے ولید کے نام درخواست

لکھی اور کہا کہ مکے کے حاکم سے کہا جائے کہ وہ میرے ان مخالفوں کو میرے حوالے کر دے جو مجھ سے بھاگ کر وہاں آ رہے ہیں۔ ولید نے حاکم مکہ خالد بن عبداللہ کو لکھا کہ حجاج کی بات پر عمل کرے۔ چنانچہ سعید بن جبیر کو حجاج کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ان کا سر اڑا دیا۔ سعید بن جبیر تابعین کے علماء میں ایسی محترم شخصیت تھے کہ احمد بن حنبل امام حدیث کا کہنا ہے کہ سعید سے بڑا عالم اپنے عہد کا میں نے کوئی اور نہ دیکھا۔ یہ ظالم حجاج اپنی موت ۹۵ ھ تک مسلسل امام کی ٹوہ میں رہا لیکن کبھی اس کی ہمت نہ ہو سکی کہ امام کو کسی طرح کا نقصان پہنچا سکے۔ امام کو محض تبلیغ دین سے غرض تھی۔ وہ مسجد مدینہ میں مسند علم بچھا کر بیٹھتے' بار بار زیارت بیت اللہ کو جاتے' عبادت میں مصروف رہتے اور غریبوں کی دستگیری فرماتے۔ یہ امام کا وہ تدبر تھا جو اس دور کی سیاسی محاذ آرائی سے بچنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا۔

تصادم و اختلاف سے گریز کی یہ پالیسی امام کی کسی کمزوری کے سبب نہ تھی۔ یہ عبدالملک کے عہد سیاست کے الٹ پھیر میں ایک ایسی اصولی مفاہمت تھی جو ہر زمانے کے مدبر اعلی ترین انسانی مقاصد کی تکمیل کے لئے روا رکھتے ہیں' مگر اس طرز عمل کو اطاعت و تسلیم اور سپردگی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ امام کے اس اصولی نقطہ نظر کی وضاحت اس واقعے سے بخوبی ہوتی ہے جسے علامہ محمد ابن علی بن شہر آشوب نے اپنی کتاب "مناقب" میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں : "جناب رسول خدا ﷺ کے کچھ تبرکات علی ابن الحسین کی تحویل میں تھے۔ عبدالملک نے ان میں سے رسول خدا کی ایک تلوار چاہی کہ وہ

لے لے۔ امام نے سختی سے انکار کیا۔ عبدالملک نے بہت برا جانا اور امام کو طرح طرح سے خوف بھی دلایا' لیکن امام نے کسی طور بھی اس کی یہ بات نہ مانی۔"

خانوادہ نبوت میں سب کے سب علی ابن الحسین ایسے نہ تھے البتہ علی ابن الحسین کا یہ انداز نظر گیارہویں امامت تک ہر امام نے اپنایا' مگر بنوہاشم کے کسی اور نمایاں فرد نے ایسا نہ کیا۔ نہ قریب تر ان کے چچا حضرت محمد ابن حنفیہ نے اور نہ جناب علی اطرف نے' نہ جناب عبداللہ بن جعفر نے۔ بلکہ آگے چل کر اولاد حسن جناب حسن الخالص' عبداللہ محض' نفس زکیہ اور خود آپ کی اولاد جناب زید نے جب امام کی اس دور رس پالیسی سے انحراف کرکے جنگ وجدال' انقلاب' مزاحمت اور حصول اقتدار کا راستہ اختیار کیا تو ان سب کے حق میں وہی نتیجہ نکلا امام جس کے خواہاں کبھی نہ تھے۔ امام نے اپنے طرز عمل سے بنوامیہ کو یقین دلا دیا کہ وہ تخت و تاج اور ملک و مال کی کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ اسی یقین کے سبب بنوامیہ کے حکمرانوں نے امام سے کسی طرح کا تعارض نہ کیا بلکہ بعض موقعوں پر وہ امام کے احترامات پر بھی مجبور ہو گئے۔

جناب زید بن علی ابن الحسین اور اولاد علی کے ساتھ آگے چل کر جو کچھ ہوا' امام زین العابدین خانوادہ نبوت کو ان حادثات سے بچانا چاہتے تھے۔ امام زین العابدین (علی ابن الحسین) کے اس حکیمانہ نقطہ نظر کو دیگر بنوہاشم ماننے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے زمانے کے جن دو نمایاں افراد نے یکسر مختلف رویہ اختیار کیا وہ ان کے چچا حضرت محمد بن حنفیہ اور پھوپا جناب عبداللہ بن جعفر تھے۔ جناب عبداللہ ابن جعفر کا قطعی فیصلہ یہ تھا کہ حکومت وقت کے ساتھ بھرپور تعاون اور

اس کی اطاعت کی جانی چاہئے۔ چنانچہ وہ جناب ابو عبیدہ جراح کے ماتحت لشکر میں کام بھی کر چکے تھے۔ وہ تو احترام حکومت اور حکام کی دلجوئی کے معاملے میں اس قدر محتاط تھے کہ انہیں اپنے اہل خانہ کے قریب ہونا بھی گوارا نہ تھا اور شاید اسی سبب وہ کربلا سے بھی دور دور رہے کہ حکام انہیں طرفدار حسین نہ سمجھ لیں۔ اولاد علی میں جناب عمر ابن علی (علی اطرف) کا رویہ بھی امام کے ساتھ دوستانہ نہ تھا۔ عبدالملک نے جب زمام اقتدار سنبھالی تو صدقات اور دیگر رقوم شرعی کو جن پر آل محمد کا حق تھا' جناب علی ابن الحسین کی طرف لوٹایا اور دفتر شاہی میں اس کا اندراج کیا۔ اس بات کو امام کے چچا عمر ابن علی (علی اطرف) نے اپنے حق کے خلاف جانا۔ عبدالملک سے احتجاج کیا اور امام کے مقابلے میں اپنی برتری ثابت کرنا چاہی۔ بالکل ایسا ہی طرز عمل بعض معاملات میں جناب محمد ابن حنفیہ نے امام زین العابدین کے خلاف اختیار کیا۔ ان کا سلوک اولاد فاطمہ کے ساتھ شروع ہی سے کچھ التفات آمیز نہ تھا۔ کربلا میں انہوں نے شرکت نہیں کی اور مدینے میں رہنا ہی گوارا کیا۔ واقعہ کربلا کے بعد ایک طرف انہوں نے (جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے)' دعوی امامت کر دیا اور دوسری طرف بعض انقلابی اور مزاحمتی تحریکوں میں حصول اقتدار کی جنگ لڑنے والوں کے ہم نوا بن گئے۔

عبداللہ بن زبیر ان کی اس سیاسی پیش قدمی سے اس درجہ خائف ہوئے کہ جب طواف حرم کے لئے مکے آئے تو انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ خبر جب امیر مختار کو ملی تو انہوں نے ایک مضبوط جماعت ان کی رہائی کے لئے مکے بھیجی۔ جس کے بعض سپاہیوں نے چاہا کہ جنگ کے ذریعے محمد ابن حنفیہ کو رہا کرالیں لیکن انہوں

نے ان سپاہیوں کو احترام حرم کی خاطر لڑائی سے باز رکھا۔ عبداللہ ابن زبیر نے پھر مصلحت اسی میں جانی کہ وہ محمد ابن حنفیہ کو رہا کر دے۔ (طبری)

حضرت سید سجاد سے عبداللہ ابن زبیر اور عبدالملک کو ایسا کوئی خوف نہ تھا۔ امام علم و عبادت اور زہد و ریاضت میں اس قدر محو تھے' اقتدار اور انتقام کی بابت انہیں سوچنے تک کا موقعہ نہ تھا۔ انہوں نہ کبھی حکومت کے خلاف کسی شورش کا ساتھ نہ دیا۔ حتی کہ اپنے عزیزوں تک کی اس راہ میں کبھی کوئی معاونت نہ کی۔ عبدالملک آپ کی اس روش کو بہ خوبی سمجھتا تھا۔ امام کے خلاف شکایت کا کوئی موقع اسے ہاتھ نہ آیا۔ دل و جان سے نہ سہی' ظاہراہی سہی وہ امام کی تکریم پر بھی مجبور ہوا۔ اس کے گورنر حجاج ثقفی نے ایک بار قتل امام کا مشورہ دیا تو عبدالملک نے حجاج کو تنبیہہ کی اور کہلا بھیجا کہ وہ بہر طور علی ابن الحسین کا احترام ملحوظ رکھے۔ یہی سبب تھا جو اس نے خانہ کعبہ کی از سرنو تعمیر (جو عبداللہ ابن زبیر پر فتح پانے کے بعد کی) کرتے وقت خشت اول حضرت امام زین العابدین کے ہاتھوں رکھوائی۔ یہی صورت حال اس وقت پیش آئی جب امیر مدینہ عمر بن عبدالعزیز نے روضہ رسول کی تعمیر و اصلاح کے موقع پر تعویذ قبر رسول کو گرد و غبار سے پاک کرنا چاہا تو اسے تمام عالم اسلام میں امام سے بڑھ کر اس منصب کا اہل کوئی اور نظر نہ آیا۔ (معارف اسلامیہ ۲/ ۱۴ پنجاب یونیورسٹی)

بد امنی' انتشار اور سیاست میں بے یقینی کی یہ لہر یزید کی موت (۱۴' ربیع الاول ۶۴ھ) سے عبداللہ ابن زبیر کی موت ۷۳' ۷۲ھ تک تقریبا نو دس برس تک بنوامیہ کے اقتدار کو اپنی لپیٹ میں لئے رہی۔ اس عرصے میں ابوسفیان

کے دوسرے عزیزوں اور مروان بن الحکم کے مابین اقتدار کا سنگھاسن ڈولتا رہا۔ معاویہ بن یزید کے بعد بالاخر اقتدار مروان کے ہاتھ آگیا۔ معاویہ بن یزید (جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ محب اہل بیت تھا) اہل بیت کا طرفدار ہرگز نہ تھا۔ وہ تین ماہ خلیفہ رہا۔ اس نے ضحاک بن قیس کے لئے حکم دیا کہ اس کی موت کے بعد خلافت کا فیصلہ ہونے تک امت کو وہ نماز پڑھائیں اور پھر اس کا یہ کہنا کہ حکومت کس کو دوں؟ عمر خطاب جیسا کوئی شخص بھی آج نہیں، ظاہر کرتا ہے کہ وہ اہل بیت کی عظمت کا قائل ہرگز نہ تھا۔ معاویہ بن یزید کے بعد مروان اور پھر مروان کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ عبدالملک کے بعد ولید بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ اس دور میں سوائے مختار ثقفی کے کسی کا بھی میلان اہل بیت کی طرف نہ تھا۔ عبداللہ بن زبیر مکے میں، مصعب بن زبیر بصرے میں، مہلب بن ابی صفرا خراسان میں، عمر بن عبدالعزیز مدینے میں اور حجاج عراق میں۔ یہ سب کے سب حضرت سجاد کے دوست نہ تھے اور ان میں سے ہر اموی بجز عمر بن عبدالعزیز جفاجو، جاہ پرست اور پرہیزگاری و تقوی سے دور تھا، بھلا اس تناظر واقعات میں سید سجاد علی ابن الحسین بھی ایک سپاہی کی صورت میں تلوار اٹھا لیتے تو کیونکر اپنی جان بچا سکتے اور یہ جو سلسلہ نسل محمدؐ آج جاری و ساری ہے وہ کیونکر برقرار رہ سکتا اور ایسے جہاد کے لئے کتنے لوگ تھے جن پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔

۶۳ ہجری کے بعد اس دور کا عجیب عالم تھا۔ ہر کوئی شخص اپنی بقاء کی جنگ میں مصروف تھا۔ معاویہ بن یزید کے بعد مروان نے مدینے سے بھاگ کر

شام کے ملک میں اپنے پاؤں خوب اچھی طرح جما لئے۔ تب ان کامیابیوں کے بعد مروان مصر کی طرف آیا اور اپنے عامل عمرو بن سعید بن العاص کو حکم دیا کہ ابن زبیر کے عامل کو وہاں سے نکال باہر کرے۔ مصر میں عمرو نے قتل عام کا حکم دیا اور تمام اہل مصر سے مروان کے لئے بیعت لی۔ ابن زبیر اس وقت عراق' یمن اور حجاز کے درمیانی علاقوں کے حکمران تھے۔ شام کے ملک پر تمام تر مروان کا غلبہ ہو گیا۔ یہ واقعات ۶۴ ھ کے ہیں۔ مروان کی علاقہ شام پر کامل دسترس کا سبب یہ بھی تھا کہ اس نے یہاں اپنے قریب تر حریف ضحاک ابن قیس اور نعمان ابن بشیر انصاری (جو اہل بیت کے لئے گوشہ نرم رکھتا تھا) کو شکست دی اور ان دونوں کو قتل کروا دیا تھا۔ البتہ ابوالفدا عماد الدین نے نعمان بن بشیر کے باب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل حمص کو ضحاک کے قتل کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے اپنے حاکم نعمان ابن بشیر کو خود ہی قتل کر دیا۔ بہرحال اس صورت حال میں مروان کا ملک شام پر مکمل قبضہ ہو گیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مروان کی بیوی ام خالد نے اسے زہر دے دیا۔ یہ واقعہ ۶۵ھ کا ہے۔ ام خالد یزید کی بیوہ تھی جس سے مروان نے نکاح کر لیا تھا تاکہ خالد بن یزید کو تخت بنوامیہ کی طرف بڑھنے سے روکا جا سکے لیکن وہ عورت بھی سمجھدار نکلی۔ جب اس نے ضحاک اور نعمان بشیر کے قتل کی خبر پائی' عبداللہ بن زبیر کو عراق' حجاز اور یمن میں مطمئن پایا تو ملک شام کے لئے خالد کو ایک موزوں امیدوار سمجھنے لگی مگر تخت بنوامیہ کے لئے یہ قرعہ فال مروان بن الحکم کی اولاد کے نام ہی نکلا۔ ام خالد کے خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ مروان کی وفات کے بعد عبدالملک بن مروان کی

۶۵ھ میں بیعت ہوئی۔ ۶۶ھ میں مختار ثقفی کی تحریک نے زور پکڑا۔ اس تحریک کے نتیجے میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔ خون مسلم کی ارزانی کا یہ عالم ہوا کہ لاشوں کے ڈھیر اور سروں کے انبار لگ گئے۔ اسی عالم میں مصعب بن زبیر نے مختار سے جنگ کے لئے مہلب بن ابی صفرہ کو خراسان سے بلوایا۔ ان دونوں نے مل کر کوفے پر چڑھائی کر دی۔

مختار کے سات ہزار ہمراہی بھی اس موقعے پر کام آئے۔ ان واقعات کے بعد مصعب کا پیچھا عبدالملک نے کیا اور آخر کار مصعب بھی اپنے انجام کو جا پہنچا، قتل ہوا، اور اس کا سر کاٹا گیا۔

"مروج الذھب" میں مسعودی نے اس عہد کی انتقامی سیاست کا حال لکھتے ہوئے کہا ہے کہ جب عبدالملک کے سامنے مصعب بن زبیر کا سر لایا گیا تو ایک سن رسیدہ شخص نے اسے دیکھ کر آیہ عبر پڑھی۔ عبدالملک نے یہ امر خلاف توقع جانا اور اس شخص سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس بزرگ نے کہا :

"میں کوفے کے دربار کو مسلسل کئی برس سے عمل اور ردِ عمل کی آماج گاہ دیکھ رہا ہوں۔ یہیں جس مقام پر آج تو ہے، ابن زیاد کے روبہ رو حسین کا سر لایا گیا۔ پھر اسی ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے، اور مختار کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے اور آج مصعب کا سر تیرے آگے دھرا ہے۔ دیکھئے آگے کیا ہو؟" یہ گفتگو سن کر عبدالملک بہت گھبرایا اور اس مقام کو ڈھا دینے کا حکم دیا۔

عمل اور ردِ عمل کی سیاست کے اس زمانے میں تشدد، سزا، انتقام اور خوں ریزی کے اس ہیجان خیز ماحول میں امام نے یہ تینتیس، چونتیس برس اپنے

سال وفات' ۹۵ھ (بہ روایت بعض ۹۲' ۹۴ھ) تک نہایت احتیاط' عزت نفس اور کامل غیر جانب داری کے ساتھ گزارے۔ اہل بیت اور ان کے طرف داروں کے لئے یہ کیسا کٹھن زمانہ تھا کہ حسین کے ایک دوستدار ابن کُثیّر نے ایک دن کوفے کے بازار میں کہیں ٹھنڈا اور میٹھا پانی پی کر حسین کی پیاس یاد کرلی۔ ابن زیاد کو اس کی خبر ملی تو اس نے انہیں قید میں ڈلوا دیا۔ یہ وہی ابن کثیر ہیں جن کی ملاقات اس قید خانے میں امیر مختار سے ہوئی اور امیر کو ان کی زبانی کوفہ و کربلا کے واقعات کا علم ہوا۔

جرم و سزا' عمل اور رد عمل کی اس بھیانک داستان کو پڑھتے ہوئے مسلمانوں کی یہ جنگ زرگری اور تاج و تخت کے لئے ان کی یہ مکروہ سازشیں ہمارے سامنے آتی ہیں تو اسلام کا وہ تصور کچھ دیر کے لئے دھندلانے لگتا ہے جس کی پرداخت پیغمبر اسلام ﷺ' ان کے اصحاب جلیل القدر اور اہل بیت عظام نے کی تھی۔ خوں ریزی' ہوس ناکی' ظلم و بربریت کے اس اندوہ ناک ماحول میں حضرت علی ابن الحسین بھلا کس جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہتے اور کون تھا جو اس میدان عمل میں ان کا ساتھ دیتا۔ اگر وہ کوئی سیاسی' عسکری یا انقلابی جماعت بنا بھی لیتے تو وہ کس کس سے اور کہاں کہاں لڑتی۔ اور یہ جنگ کن اصولوں پر کی جاتی اور اس کا ہدف کون ہوتا؟ کوئی ایک مرکز اقتدار بھی نہ تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس معرکے کے کسی حریف اور اقتدار کے کسی داعی نے حضرت علی ابن الحسین کو اپنی بیعت کے لئے مجبور بھی نہیں کیا تھا۔ اگر کہیں ایسا ہو جاتا تو ممکن تھا' پھر کوئی ایک نئی کربلا کا منظر' یہ دنیا اور دیکھ سکتی۔

جناب سید سجاد علی ابن الحسین کے عہد کا تقاضا یہی تھا جس پر انہوں نے عمل کیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے رہے۔ جن معاملات میں ان میں سے کسی کو تنبیہہ لازم تھی' تنبیہہ کرتے رہے۔ حق گوئی سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ہر معاملے میں ہمیشہ راست قدم اٹھایا۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کی۔ اقتدار و سلطنت کی اس مہم جوئی اور باطل کی کشمکش آرائی میں اور وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ انہوں نے یہی بہتر جانا کہ مسجد مدینہ میں علم و حکمت کی مسند بچھا کر فیضان نبوت کو عام کریں۔ چنانچہ مدینہ نے ان کے دور میں وہ رونقیں دیکھیں کہ ان کے بعد زمانہ پیغمبر کے قریب ایسے اصحاب اور تابعین کو پھر دنیا نہ دیکھ سکی۔ حضرت عبداللہ بن عباس' جناب عبداللہ بن عمر اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر جیسے جلیل القدر فقہاء اس عہد کا روشن چراغ ہیں۔

امام نے ان حالات میں جو کچھ کیا' انہیں یقیناً ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ باطل کی اس کشمکش میں امام نے کسی کا ساتھ نہ دے کر امن و سلامتی کے ساتھ دینی تبلیغ کا یہ اہم فریضہ سرانجام دیا اور بالیقین یہ ایسے حالات ہرگز نہ تھے' جیسا کہ ان کے والد گرامی کو پیش آئے۔ یزید' اسلام پر علی الاطلاق تصرف کا خواہاں تھا۔ اس کا ہدف تخت حکومت نہ تھا' وہ تو تخت حکومت کے ذریعے اسلام پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے حسین ابن علی سے سوال بیعت بھی کیا مگر سید سجاد کے ہم عصر جنگ آزماؤں کے مابین اقتدار و اختیار کی کھلی جنگ تھی۔ وہ تو محض ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتے تھے' ان کی ساری کشمکش تخت حکومت

کے لئے تھی۔ ان میں سے کسی ایک کا ہدف بھی حضرت علی ابن الحسین نہ تھے اور نہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انہیں مجبور بیعت کیا تھا جبکہ یزید حسین کا کھلم کھلا دشمن اور حسین اس کا اصل ہدف تھے۔ اسی لئے حضرت علی ابن الحسین کا سیاسی کردار جناب سید الشہداء سے جو مختلف رہا' کسی تعجب کا باعث نہیں ہو سکتا۔

سچ یہ ہے کہ حضرت علی ابن الحسین ایک جاندار' متحرک اور قابل فخر زندگی کے حامل رہے۔ کربلا کے بعد تقریباً چونتیس پینتیس برس انہوں نے نہایت عمدہ تمدن اور اعلیٰ سیاسی شعور کے ساتھ بسر کئے۔ زمین کی کاشت میں دلچسپی لی' اجناس خوردنی' غلہ اور چارے کی بار برداری ان کا شغل تجارت تھا۔ عمائدین ریاست میں ان کا شمار تھا' بالخصوص اشراف مدینہ کے ممتاز ترین فرد تھے اور اسی حیثیت کے سبب فوجی اقدامات کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات سے مظلوم اور کمزور طبقوں کو ہمیشہ بچاتے رہے۔ بعض ایسے امور ریاست بھی تھے جن کا براہ راست تعلق امام کی ذات گرامی سے نہ تھا مگر امت کی فلاح و بہبود کی خاطر اگر ان امور میں شرکت کی ضرورت آپڑتی تو ایسے موقعوں پر بھی کبھی پیچھے نہ رہتے۔ عمال حکومت اگر کوئی غلط قدم اٹھاتے اور اس اقدام کا تعلق کسی طرح بھی امام کے گرد و پیش سے قائم ہوتا' اس کی اصلاح کی طرف بھی حکومت کو متوجہ کرتے۔ امام نے اپنے سماج سے اپنا رشتہ منقطع نہ ہونے دیا۔ نادار طبقوں کی دستگیری کرتے رہے۔ خاندانی معاملات میں ہر طرح کی اونچ نیچ کا خیال رکھا' معاشرتی امور میں دلچسپی لی' دنیاوی معاملات کا کوئی احسن طریقہ ایسا نہ تھا جسے امام

نے نظر انداز کیا ہو۔ موسم سرما میں گرم لباس خصوصا بنواتے، گرمیوں کا لباس بھی مخصوص کرتے، جب موسم بدلتا، گرمیوں کا لباس، سردی آنے پر اور سردیوں کا لباس گرمی شروع ہونے پر مستحق لوگوں کو ہبہ کر دیتے۔ جب کبھی بازار میں نکلتے یا باہر آتے، کندھے پر عمدہ کپڑے کی چادر ڈال لیتے۔ عائلی زندگی اور ازدواجی معاملات میں بھی ان تمام تقاضوں پر عمل پیرا رہے جن پر ان سے پہلے بزرگوں اور ان کے بعد ان کی اولاد نے عمل کیا۔ چھ مختلف خواتین سے، حضرت کی پندرہ اولادیں ہوئیں۔ ام عبداللہ نامی زوجہ محترمہ سے حضرت امام محمد باقر اور باقی ام الولد خواتین سے عبداللہ، عمر، زید، عبدالرحمان، سلیمان، علی، حسن، محمد، حسین، حسین اصغر، خدیجہ، عالیہ، فاطمہ اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔ (کتاب الارشاد مفید)

ایسی کامل زندگی گزارنے والے امام امت کا جو تصور ہم تک پہنچایا جا رہا ہے اور جو سراسر ہماری تاریخ و سیرت حدیث اور آثار کی بنیادی کتابوں کے مطابق بھی نہیں وہ یہ ہے کہ امام علی ابن الحسین "بیمار امام" تھے۔ (افسوس کہ اسی قابل افسوس نام سے ہمارے بعض لوگ امام علی ابن الحسین کا ذکر کرتے ہیں) وہ ساری زندگی روتے رہے۔ سجدہ گزاری کے سوا انہیں کوئی کام اور نہ تھا۔ دنیا سے ہر طرح کا ترک تعلق کر لیا تھا۔ ان کی ایک مضمحل اور ناآسودہ زندگی تھی جس میں سوائے اضطراب، بے کلی اور یاد کربلا کے کچھ اور نہ تھا۔

یہ حضرت علی ابن الحسین کو مظلوم ثابت کرنے کی بے دلیل کوششیں ہیں۔ یہ سب وہ مفروضہ خیالات ہیں جن کے وجود سے ایک انتہائی

دل شکستہ، مضمحل اور بیمار و ناتواں ایسی شخصیت کا تصور ابھرتا ہے جس کا امام کی سرگرم، پرجوش اور فعال زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ امام نے کربلا کے بعد ایک ایسی شاندار اور علم و عمل سے بھرپور زندگی گزاری جو اسلامی تمدن کا ایک کامل نمونہ قرار پاتی ہے۔ جسے سیاست کے شعور اور تمدن کے تقاضوں کا خوش رنگ امتزاج کہنا چاہئے۔ کربلا کے واقعات نے ان کی شخصیت میں ایک ایسا استقلال پیدا کر دیا تھا جس نے انہیں بنوامیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرات، بے باکی اور بے خوفی سے جینے کا نیا حوصلہ بخشا۔ وہ حکومت کے نیاز مند ہو کر نہیں رہے، نہ عمال حکومت سے کبھی آنکھیں نیچی کر کے ملے اور نہ کبھی ان میں سے کسی کے آگے اپنا سر جھکایا۔ ساری زندگی ایک قابل فخر امتیاز کے ساتھ گزاری۔

عبدالملک کے بیٹے، ہشام کو اپنی شہزادگی کے زمانے میں ایک بار زیارت حرم کے موقعے پر امام کا اعزاز و اکرام دیکھ کر اپنے ندیموں کے روبرو جو خفت اٹھانا پڑی، وہ تاریخ اسلامی کا ایک ایسا واقعہ ہے جس نے بنوامیہ کے شاہانہ کرو فر کو خاک میں ملا کے رکھ دیا۔ اہل بیت کے فقر غیور کی غیر معمولی تکریم کے اس واقعے نے قرآن مجید کے اس قول کو سچ کر دکھایا کہ اسلام میں بزرگی اور کرامت کا سبب، پاکیزگی، نیکی اور راست بازی ہے نہ کی دولت دنیا اور ثروت شاہی۔ بہ ظاہر یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن سیاسی طور پر بنوامیہ کے لئے ایک ایسا دھچکا تھا جس کے فوری تاثر کی شدت یہ تھی کہ ہشام سے اپنے آپ کو سنبھالا نہ گیا۔ ہوا یوں کہ ہشام ایام شہزادگی میں ایک بار زیارت حرم کو آیا۔ اتنی بھیڑ تھی کہ اسے آگے جانے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ ایک

شخص حرم میں داخل ہوا تو وہی مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ وہ شخص آگے بڑھا' سنگ اسود کو بوسہ دیا' ملتزم سے لپٹ کر دعا کی اور الٹے قدموں پلٹ گیا۔ یہ شخص کون تھا؟ حضرت علی ابن الحسین تھے۔

ہمارے امام کی اصل تصویر یہ ہے نہ کہ وہ جسے دیکھ کر امام پر رحم آنے لگے اور ترس کھانے کو جی چاہے۔ یہ کتنا بڑا ستم ہے کہ ہمارے خطیب اور ذاکر' امام کی سیرت و سوانح کے حوالے سے واقعات و حالات کی ایسی نئی تاریخ مرتب کرنا چاہتے ہیں جن کا تاریخ و سیرت اور آثار و احوال کی بنیادی کتابوں میں کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔

شخصیت کی اس تشکیل اور شخصی اہمیت کے ان بنیادی عوامل کا اہم ترین جزو امام کی طبیعت کا استغنا تھا۔ وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتے اور اس کی امان کو اپنے لئے عافیت سمجھنے والے تھے۔ دولت و اقتدار اور جاہ و منصب کے حصول کا شائبہ تک ان کے کردار میں نہ تھا۔ اہل اقتدار ان کے شخصی و خاندانی وقار کے حاسد ہوں تو ہوں اور اس حسد کے سبب ان سے چشمک رکھیں تو رکھیں لیکن ان کے زہد و تقوی' کمال علم اور اخلاق کریمانہ کے وہ معترف ضرور تھے اور یہی صفات کسی شخص میں کامل استغنا کی بنیاد قرار پاتی ہیں اور انہی صفات سے کسی انسان میں جرات کردار' استقلال مزاج' حق گوئی و راست بازی کا جوہر کھلتا ہے۔ عمرانی علوم کی تشریحات کے اعتبار سے اپنے حقوق اور اعلی مقاصد کو حاصل کرنے اور اپنے معاملات کو سلجھانے کے لئے اسی تدبیر و تدبر کا نام سیاست ہے۔ اگر یہ واقعی عملی سیاست ہے تو حضرت علی ابن الحسین نے اپنے متوسلین

کی بقا اور دین اسلام کے تحفظ کی خاطر جو حکیمانہ رویہ اختیار کیا' ایک ایسا کامیاب سیاسی نظریہ ثابت ہوا جس کے نتیجے میں سلسلہ امامت کی تکمیل بھی ہو سکی اور دین اسلام کی حقیقی تشریحات بھی سامنے آ سکیں۔ امام یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ حکومت کے ساتھ اس وقت کسی طرح کی محاذ آرائی خاندان رسول کو مزید نقصان پہنچا سکتی ہے۔ چنانچہ یہ جو آج ہم علوم محمد و آل محمد کا فیضان لئے بیٹھے ہیں' ہزارہا کتب و اخبار علوم آل محمد کے ہم تک پہنچے ہیں اور یہ جو اسلام کی حقیقی تشریحات و معارف کا بحر ذخار ہمارے سامنے ہے' یہ سب اسی سیاسی تدبر اور حکمت عملی کا نتیجہ ہے جسے شہادت حسین کے بعد حضرت علی ابن الحسین نے اختیار کیا۔ لیکن حضرت علی ابن الحسین کا سا حوصلہ' ان کا سا صبر اور بالغ نظری ہر طرفدار حسین میں نہ تھی۔ واقعا جس طرح کا سلوک' حسین ابن علی سے کیا گیا' اگر کہیں قبل اسلام عرب معاشرے میں کسی کے ساتھ ایسا ہوتا تو کیا سے کیا ہو جاتا؟ ابو مخنف نے کربلا کے ان دلدوز اور جگر شگاف واقعات کی تفصیل' اپنے رسالے "مقتل الحسین" میں دی ہے۔ آخر یہ وہی عرب تھے' ان میں سے بعض نے قسم کھائی کہ جب تک خون حسین کا بدلہ نہ لے لیں گے' چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اسی عہد کے حوالے سے' زید ابن علی' یحییٰ ابن زید' عیسی ابن زید' محمد نفس زکیہ' ابراہیم بن عبداللہ اور عبداللہ محض وغیرہ نے خروج کیا۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے قصاص اور دیت کے اصل وارثوں سے بھی آگے بڑھ کر' انتقام خون حسین کا نعرہ مارا۔ ان نعرہ زنوں میں' امیر مختار کا نعرہ "ثارات الحسین" سب سے زیادہ پر زور تھا۔

یہ نعرہ ایک طرف سیاسی تحریک کا باعث بنا' دوسری طرف اس نعرے کے سبب شیعہ عقائد (جو فی الاصل شیعی عقائد نہ تھے) نے ایک نئی صورت اختیار کرلی۔ مختار ثقفی کی یہ تحریک اپنی معین کردہ حدود میں باقی نہ رہ سکی۔ بلاشبہ اس کی بنیاد انتقام خون حسین کے جذبات پر قائم ہوئی' لیکن آہستہ آہستہ اس تحریک کے نتائج' بلکہ خود اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ نے اس تحریک کو انتشار کی نذر کردیا۔ طرح طرح کے لوگ اس میں شامل ہوتے گئے' ان کے ذاتی مقاصد' احوال اور گردوپیش کے عوامل نے اس تحریک کا رخ اصل ہدف سے ہٹا کر ادھر ادھر موڑ دیا۔ مختار ثقفی کی زندگی میں انقلابی اور سیاسی جدوجہد کی یہ تحریک مذہبی عقائد کی گروہ بندیوں کا شکار ہو کر رہ گئی۔ بے شک مختار ثقفی نے اپنی زندگی میں اس تحریک کا بنیادی مقصد (قاتلانِ حسین سے انتقام) ضرور حاصل کرلیا' مگر منزل تک پہنچتے پہنچتے اس قافلے کے کئی مسافر بے راہ ہو کر ادھر ادھر بھٹک گئے۔ بعد والے زمانوں میں شیعیت میں جزوی عقائد کے اختلاف کے ساتھ جو تفریق نظر آتی ہے' اس پر مختار ثقفی کی اس تحریک کے نمایاں اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ خاص طور پر یہ خیالات کہ :

- امامت کا تصور ظلم کے خلاف مزاحمت اور انقلاب سے وابستہ ہے۔
- امامت گوشہ گیری نہیں' فعال' متحرک اور عملی قیادت کا نام ہے۔
- امامت میں جب جناب زین العابدین کے مقابل جناب محمد ابن

حنفیہ کو امام تسلیم کیا جا سکتا ہے تو ایسی ہی بنیادوں پر باقی امامت اثنا عشر کے مقابل دوسرے امام بھی' برحق امام ہو سکتے ہیں۔

- امامت کے لئے 'بدا' کا امکان بھی ہے۔ (یعنی خدا کا ضرورت کے تحت اپنا فیصلہ بدل لینا ممکن ہے)
- اولاد فاطمہ و علی سے امام کا ہونا لازم نہیں ہے۔
- امامت کے لئے توریث نہیں ہے۔
- امام مصلحتاً غیب میں جا سکتا ہے۔

چنانچہ ہم سب سے پہلے مختار ثقفی کی تحریک انقلاب کا ذکر کرتے ہیں :

مختار ثقفی کی تحریک انتقام :

مختار ثقفی کا نعرہ "ثارات الحسین"

واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت کے بعض طرفداروں کا شدت سے یہ خیال تھا کہ حسین ابن علی کے خون ناحق کا انتقام ضرور لیا جائے۔ حضرت علی ابن الحسین (سید سجاد) کے فرزند جناب زید اور طرفداروں میں مختار ثقفی اسی نقطہ نظر کے حامل تھے۔

مختار ثقفی جنہیں امیر مختار کہا جاتا ہے، کوفے کے باشندے تھے۔ ان کا پورا نام سیرت نگاروں نے یوں لکھا ہے :

ابواسحاق، مختار بن ابی عبید ابن مسعود بن عمرو بن عمیر بن عوف۔ قبیلہ ثقیف کی نسبت سے ثقفی کہلاتے ہیں۔ ۶۲۲ء / ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ مختار کی ماں دومتہ بنت وھب بن عمر ثقفی ہیں۔ ان کے بطن سے مختار کے علاوہ چار بیٹے وھب، مالک، زجر اور جبیر بھی تھے۔ مختار کی ابتدائی زندگی طائف میں گزری، کچھ ابتدائی زمانہ اس سے پہلے وہ مدینے میں بھی گزار آئے تھے۔ ان کے والد ابو عبید ایک جری، اولوالعزم اور ذہین سپاہی تھے۔ جنگ حلوان میں مسلمانوں کی قابل فخر فتح کا سہرہ انہی کے سر رہا۔ ایران کے فیل در فیل لشکر کو انہی کی سپاہ جرار نے تلواروں اور تیروں کی باڑ پر رکھ لیا۔ یہ بہادر ابو عبید الجسر ۶۳۴ء / ۱۳ھ کے ایک معرکے میں شہید ہو گئے۔ مختار کی عمر ابھی زیادہ نہ تھی، مگر باپ کے

ساتھ اس معرکے میں ہمراہ تھے۔ باپ کی شہادت کے بعد اپنے چچا جناب سعد بن مسعود کی کفالت میں آگئے۔ حضرت سعد بن مسعود، صحابیِ رسول اور طرفدار علی تھے۔ حضرت نے اپنے زمانہ خلافت میں جناب سعد کو مدائن کا امیر بنا کر بھیجا۔ مختار ثقفی نے بھرپور جوانی تک کا زمانہ انہی چچا کے پاس گزارا۔

مختار مدینے کی ابتدائی زندگی ہی سے حضرت امام حسن اور امام حسین کے رفیق رہے۔ چونکہ تقریباً ایک جیسی عمریں تھیں، اہل بیت سے خصوصی عقیدت بھی تھی، باپ اور چچا کا شمار اہل بیت کے خاص لوگوں میں ہوتا تھا۔ مختار کے دل و دماغ میں حسین کی یہ محبت ہمیشہ راسخ رہی۔ بچپنے میں سرکار رسالت ﷺ کی زیارت بھی کی۔ ایک بار جناب امیر نے مختار کو حضرت امام حسن اور امام حسین کے ہمراہ دیکھ کر کہا تھا کہ بڑے ہو کر یہ ہمارا ہم نوا بنے گا اور ہماری محبت میں کام آئے گا۔ مختار کی سیرت کے یہ تمام واقعات گواہی دیتے ہیں کہ یہ شروع ہی سے اہل بیت کے جان نثار، حامی اور مددگار تھے۔ بقول طبری جناب امیر کے عہد خلافت میں جبکہ ان کی عمر ابھی ایک جوان جیسی ہوگی کہ وہ اپنے چچا حضرت سعد بن مسعود کے نائب سلطنت بھی رہے۔ مختار کو یہ نیابت اس وقت ملی جب ان کے چچا، خارجیوں کے تعاقب میں مدائن سے باہر نکلے۔ یہ زمانہ ۳۷ ھ کا ہے۔ چچا کی نیابت کے اس معاملے کی تصدیق دینوری (دِی + نَ وَ رِی) نے بھی کی، تاہم طبری نے حضرت امام حسن اور امیر معاویہ کے واقعات میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مختار ان کی صلح سے ناراض ہوا، لیکن تاریخی واقعات کا تسلسل بتلاتا ہے کہ وہ شروع زندگی ہی سے طرفدار و جاں نثار اہل بیت تھا۔ حضرت حجر

بن عدی کی شہادت کے واقعات ۵۱ھ میں بھی وہ ثابت قدمی سے ان کا طرفدار رہا اور زیاد بن ابیہ کے روبرو' حضرت حجر بن عدی کے خلاف گواہی دینے سے انکاری ہوا۔ حضرت حجر پر بنوامیہ کے خلاف شورش برپا کرنے کا الزام تھا' حالانکہ یہ بغاوت محض اتنی تھی کہ وہ مروان کو علی اور اولاد علی پر سب و شتم سے منع کرتے تھے اور اسی الزام کی بنا پر انہیں قتل بھی کیا گیا۔ مختار جناب حجر کے مرتبے کو بخوبی سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ اصحاب رسول میں ان کا کس قدر بلند مقام ہے۔ حاکم مدینہ مروان نے جب جناب حجر کو قتل کیا' تو ام المومنین جناب عائشہ نے بھی جناب حجر کی اس توقیر کے مدِ نظر حاکمِ مدینہ کے اس فعل پر سخت ملامت کی۔ مختار بنوامیہ کے اس طرز عمل کو بغور دیکھ رہا تھا اور چونکہ اس کے دل میں اہل بیت سے محبت راسخ تھی 'وہ بنوامیہ کی اہل بیت دشمنی پر کڑھتا تھا اور شاید کسی مناسب موقعے کی تلاش میں تھا جو اسے یقیناً واقعہ کربلا کے بعد بہ آسانی حاصل ہو گیا۔

۴۰ھ کے بعد تقریباً ۶۰ھ تک اٹھارہ بیس برس تک بنوامیہ نے اہل بیت کے طرفدار اس تیغ آزما کو کس لئے برداشت کر لیا' اس کا ایک سبب تو قبیلہ ثقیف کی اپنی قوت اور قبائل عرب میں ان کا اپنا ذی وقار ہونا تھا۔ دوسرے یہ کہ خاندان حضرت عمر بن الخطاب سے 'ثقیف کی قریبی رشتہ داریاں تھیں' مختار کے چچا زادوں سے زید بن الخطاب اور عبداللہ بن عمر کے گھر والوں سے گہری دوستیاں تھیں۔ خود مختار کی بہن صفیہ بنت ابوعبید کی شادی جناب عبداللہ ابن عمر سے ہوئی تھی۔ مختار کے بیٹے ابو امیہ کی شادی' ام سلمہ سے ہوئی جو عبداللہ ابن عمر کی بیٹی اور حضرت عمر کی پوتی تھی۔ خود مختار کی ایک بیٹی کا نکاح عبداللہ سے ہوا

تو حضرت عمر کے ایک پوتے تھے۔ یہ تعلقات کی ایسی کڑی ہے جس میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ تھی جس کے سبب بنوامیہ آسانی سے مختار پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کا بنوامیہ پر اثر و نفوذ مسلم تھا اور یقیناً یہی وہ اثر تھا جس نے عبیداللہ ابن زیاد جیسے جابر و قاہر حکمران کو مجبور کر دیا کہ وہ جناب عبداللہ ابن عمر کی سفارش پر یزید کا حکم مانے اور مختار کو، جس پر یزید کے خلاف بغاوت کا صریحی الزام ہو، رہا کر دے۔

مختار نے کوفے کو اپنی تحریک ثارات الحسین (خون حسین کے انتقام کی تحریک) کا مرکز قرار دیا۔ کوفہ محبان اہل بیت کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ جناب امیر نے اسی سبب سے شام کے حکمران کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینے کی نسبت کوفے کو بہتر مقام پایا اور یہ کہ کوفہ دمشق سے قریب تر بھی تھا۔ دارالخلافے کی اس منتقلی سے شیعان اہل بیت تمام اطراف سے، جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے، کوفے میں یکجا ہو گئے۔

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد اہل بیت کے طرفداروں میں سیاسی عروج کا احساس کروٹیں لینے لگا، لیکن خود حسین ابن علی کا دامن کبھی اس احساس سے آلودہ نہ تھا، وہ ہر ہر قدم پر تصادم سے بچتے اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے رہے تا آنکہ یزید کی ناعاقبت اندیش قیادت نے انہیں جنگ پر آمادہ نہ کر دیا۔ مختار بھی اہل بیت کے ایسے ہی حامی تھے جن کے خیال میں اقتدار اور حکومت لئے بغیر اہل بیت رسول کی نہ وہ توقیر و تکریم کی جا سکتی ہے جس کے وہ حقدار ہیں اور نہ ان کے دشمنوں کو نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جناب مسلم بن عقیل سفیر آل محمد

کی حیثیت سے جب کوفے میں داخل ہوئے' مختار کے گھر قیام کیا۔ مختار نے نہایت سرگرمی اور فراست کے ساتھ' شیعان کوفہ کو منظم کرنا شروع کیا' لیکن ابن زیاد اپنے معاملات میں ایسا سیدھا سادا نہ تھا۔ اس نے مختار پر نظر رکھی' کچھ اپنے آدمی ان کے ساتھ ملائے اور کچھ ممکن ہے' تشدد کے ذریعے ان کے آدمی اپنے ہم نوا کر لئے ہوں' بہرحال مختار کوفے میں زیادہ دیر مسلم بن عقیل کی ہم نوائی نہ کر سکے اور گرفتار کر لئے گئے۔ مختار کے قیدوبند کی یہ کہانی عزم و ہمت کے فتح کی نشانی ہے۔ وہ دو بار قید ہوئے اور رہائی پائی۔ پہلی مرتبہ اس وقت جب جناب مسلم بن عقیل سفیر حسین کی حیثیت سے کوفہ آئے' مختار نے ان کی مدد کے لئے کوفے سے باہر نکل کر سپاہیوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا' تب ابن زیاد نے گرفتار کیا۔ بہت عرصے قید رہے اور جب تک جناب کثیر (ک ث ی + ی ر) سے کوفے کے قید خانے میں ملاقات نہ ہوئی قتل حسین سے بے خبر تھے۔

ابن کثیر ایک باحوصلہ شیعہ تھے۔ کوفے کے نامور معلموں میں ان کا شمار تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ وقت شہادت حسین ابن علی نے خواہش کی تھی کہ اے شیعو ! جب کبھی ٹھنڈا پانی پیاس میں پینا تو میری پیاس کو یاد کر لینا' چنانچہ یہ وصیت عام ہوئی تو کوفے اور اطراف کوفہ میں شیعوں کا عام وتیرہ ہو گیا کہ وہ جب پانی پیئیں تو امام کی پیاس یاد کریں' بلکہ یہ رواج صدیاں گزرنے کے بعد آج تک شیعوں میں رائج ہے۔ ابن کثیر نے کہیں سر راہ پانی پیا تو امام کو یاد کرکے روئے اور دشمنان اہل بیت کے اس فعل پر ملامت بھی کی اور قاتلان امام پر نفریں بھی کی۔ اس کی خبر ابن زیاد تک پہنچی' ابن کثیر کو قید کر لیا گیا۔

ابن کثیر کی ملاقات اس قید خانے میں مختار سے ہوئی' جہاں وہ پہلے سے پابند سلاسل تھے۔ انہی سے مختار نے شہادت حسین کی خبر پائی اور مسلم کی شہادت کا تمام حال سنا۔ مختار کو اس قید سے رہائی' ان کے چچا زاد زید بن قدامہ ثقفی اور جناب عبداللہ ابن عمر کے ذریعے ملی۔

دوسری مرتبہ مختار اس وقت قید ہوئے جب عبداللہ ابن زبیر کے مزد حاکم' ابراہیم بن طلحہ ("طلعہ" بھی بعض نے لکھا ہے) کو شبہ ہوا کہ ان کی سرگرمیاں مکے کی مرکزی حکومت کے خلاف ہیں۔ اس قید سے بھی رہائی کا سہرا عبداللہ ابن عمر خطاب کے سر ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد' کی قید سے رہائی کے بعد امیر مختار' عبداللہ ابن زبیر کے پاس چلے آئے اور مدینے میں آ رہے جہاں عبداللہ ابن زبیر نے یزید کے خلاف اعلان بغاوت کیا ہوا تھا' یہاں مختار نے ان کی حمایت میں یزیدی فوجوں کے مقابل کئی معرکے مارے اور مدینے (حرہ) پر یزیدی حملے کے دفاع میں عبداللہ ابن زبیر کا ساتھ دیا۔ خاص طور پر مکے کے حصول کے لئے عبداللہ ابن زبیر پر (۶۴ ھ میں) یزیدی افواج نے جو حملہ کیا' مختار نے عبداللہ ابن زبیر کی جانب سے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ عبداللہ ابن زبیر کے معتمدوں میں مختار کا شمار ہونے لگا اور یہ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ جب عبداللہ ابن زبیر نے جناب محمد ابن حنفیہ کے طرفداروں کی تحریک سے خائف ہو کر انہیں مکے میں قید کر دیا تو مختار نے ایک خط کے ذریعے انہیں رہائی دلوائی۔ بعض مورخین نے کہا ہے کہ یہ خط سخت لہجے میں تھا' دھمکی آمیز تھا' اور اس خط کے ہمراہ سپاہیوں کو مخصوص ہدایات دے کر مکے روانہ کیا تھا۔

امیر مختار کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح وہ کوفے کی امارت حاصل کرلے' عبداللہ ابن زبیر کی رفاقت میں بھی یہی ہدف رہا اور مسلم بن عقیل کی امداد کرتے وقت بھی یہی مقصد مد نظر رکھا' لیکن اس امارت سے اس کا مقصود ذاتی مفاد نہ تھا بلکہ قاتلان حسین سے انتقام لینا تھا۔ وہ ایک بہادر' نڈر اور عقل مند سپاہی تھا۔ عبیداللہ ابن زیاد کی سپاہیانہ چالوں اور اس کی سیاسی تدبیروں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ قدرت نے اسے ایک سنہری موقعہ دیا۔ ہوا یہ کہ ۶۴ ہجری کے معرکے میں جو عبداللہ ابن زبیر اور بنو امیہ کے درمیان ہوا' ابن زبیر کی طرف سے مختار نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے' عبداللہ ابن زبیر نے کامیابی حاصل کی تو اس نے مختار کی جاں نفشانی کے انعام کے طور پر ایک آزاد' سرکاری شخصیت کی حیثیت سے اُسے کوفے بھیج دیا۔ مختار کے وہاں جانے میں' مختار کا اپنا مفاد یہ تھا کہ وہ بنوامیہ کے قلب حکومت (شام) پر زیادہ گہرا وار کر سکے۔

مختار ۶۴ ھ میں جو کوفے پہنچے تو وہ ۶۱۔۶۰ ہجری والا کوفہ نہ تھا' جب اہل بیت کی وہ فصل جو کبھی مختار نے وہاں بوئی تھی' سلیمان بن صرد کے دام میں آگری تھی۔ مختار نے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ وہ حسین کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور یہ کہ علی کے بیٹے جناب محمد ابن حنفیہ بھی یہی چاہتے ہیں اور اسی سبب سے انہوں نے مجھے (مختار کو) یہاں اپنا وکیل بنا کے بھیجا ہے۔ مختار کی یہ بات کس حد تک درست تھی؟ مورخین نے اس کی کوئی تائید نہیں کی' خود جناب محمد ابن حنفیہ بہ ذات خود بھی حسین ابن علی کے ایسے محب نہ تھے۔ انہوں نے تو کربلا کے معرکے میں بھی شرکت مناسب نہ جانی' بلکہ وہ حسین کے کربلا جانے کو بھی کوئی اچھا فیصلہ نہ جانتے تھے۔ اولاد فاطمہ سے ان کی

محبت و یگانگت کا عمل بھی کچھ ایسا مثالی نہ تھا بلکہ واقعہ کربلا کے بعد ایک وقت وہ بھی آیا کہ انہوں نے امام زین العابدین کے مقابلے میں (بقول بعض) دعوی امامت بھی کر دیا۔ لہٰذا مختار کا اپنی حمایت و تائید کے لئے ان کی شخصیت کا انتخاب کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے' لیکن تاریخ کے تجزیہ اور بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ جناب محمد ابن حنفیہ کی کوفے میں نمائندگی کا یہ افسانہ' ان مورخوں نے گڑھا تھا جو مختار کو محض ایک سیاسی طالع آزما کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال مختار کوفے پہنچے۔ کوفے میں سلیمان بن صرد (صُ ۔ رَدَ) کا زور تھا۔ یہ وہی سلیمان ہیں جن کے ساتھیوں نے واقعہ کربلا کے بعد مشہد حسین پر رو رو کر یہ قسم کھائی تھی کہ ہم بہ امر مجبوری حسین کی مدد نہ کر سکتے تھے مگر اب حسین کے قاتلوں سے جب تک بدلہ نہ لے لیں گے' چین سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ گروہ توابین (توابون) کہلایا۔ اس گروہ نے یزید کی موت کے فورا بعد ہی اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور شامی افواج سے سرگرم پیکار ہو گیا۔

تحریک توابین جیسا کہ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ بعد قتل حسین' کوفے کے لوگوں نے اپنے اوپر ملامت کی۔ سلیمان بن صرد (صحابی رسول) ان میں زیادہ سرگرم تھے۔ انہوں نے مسیب فزاری' عبداللہ بن سعد' عبداللہ بن تیمی اور رفاعہ بن شداد کے ساتھ مل کر باہم مشاورت سے یہ طے کیا کہ ہم حسین کی نصرت نہ کرنے کے احساس جرم کو محض اس صورت میں مٹا سکتے ہیں کہ حسین کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ کوفے کے ان شیعوں کے مدائن کے شیعوں سے گہرے راوبط تھے۔ وہاں سعد بن حذیفہ بن یمانی کو آمادہ جہاد کیا گیا' سب نے مل کر طے کیا کہ سب سے پہلے عبیداللہ ابن زیاد کو کہ

حسین کے قتل میں سب سے بڑا مدگار تھا' سزا دی جائے' چنانچہ ۵ ربیع الثانی ۶۵ ھ کو کوئی چار ہزار پرجوش سپاہیوں کے ہمراہ لشکر شام کی طرف چلا' راہ میں مشہد حسین پر گریہ کیا اور تقریبا ایک دن اور ایک رات وہاں گریہ و ماتم کرتے رہے اور بار بار اس عہد کو دھراتے رہے کہ وہ خواہ ہلاک ہو جائیں' حسین کے قاتلوں سے جنگ ضرور کریں گے' چنانچہ یہی ہوا بھی۔ وہ کربلا سے نکلے' عین الوردہ میں پہنچے تھے کہ شامی فوجیں حصین بن نمیر کی سرکردگی میں ان سے آ ٹکرائیں' بارہ ہزار کے شامی لشکر سے یہ چار ہزار افراد کوئی چار دن مسلسل جنگ کرتے رہے۔ آخرالامر سلیمان بن صرد' سعد' عبداللہ مسیب یہ بڑے بڑے سردار بجز رفاعہ بن شداد سب کے سب مارے گئے۔

حسین کے طرفداروں اور اہل بیت کے چاہنے والوں کی یہ پہلی عسکری اور سیاسی جدوجہد تھی جس نے مختار کو اس راہ پر چلنے کے لئے آمادہ کیا اور روشنی بھی دکھائی اور یقیناً مختار نے سلیمان بن صرد کی نسبت قاتلان حسین سے انتقام لینے کی زیادہ منظم اور کامیاب کوشش کی۔

مختار نے عبداللہ ابن زبیر کے زیر انتداب کوفے پہنچ کر کوفے کے لوگوں میں یزیدی افواج' اور بنو امیہ کے خلاف زہر بھرنا شروع کیا۔ وہ بلا کا خطیب' خوش بیان اور صاحب کلام شخص تھا۔ علم و ادب اور شعرو سخن سے اپنی تقریروں کو سجاتا۔ علم بیان کے وہ وہ کمالات اپنی گفتگو میں دکھاتا کہ لوگ مسحور ہو کر رہ جاتے اور اس پر طرہ یہ کہ طبع سلیم رکھتا تھا۔ تلوار کا دھنی اور مرد میدان تھا۔ عبداللہ ابن زبیر دل سے چاہتے تھے کہ مختار کی یہ طلاقت اور طاقت بنوامیہ کے خلاف کام آئے مگر ایکایکی نہ جانے کیا ہوا' یا پھر حاکم کوفہ نے عبداللہ بن زبیر

کو ڈرا دیا' مختار کو حراست میں لے لیا گیا حالانکہ سچ یہ ہے کہ مختار نے عبداللہ ابن زبیر کی نہ مخالفت کی اور نہ ظاہر بہ ظاہر کوئی ایسا قدم اٹھایا جس سے ذرہ سا بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہو کہ وہ ابن زبیر کا حامی نہیں' مروج الذہب میں مسعودی نے بھی مختار کے حال میں یہی لکھا کہ وہ کسی طور بھی ابن زبیر کا مخالف نہ تھا۔ شاید کہ ابن زبیر کے گورنر کوفہ' عبداللہ بن یزید کو اس کے ۔ اسی عزائم اور کوفے کے شیعوں میں اس کی روز افزوں مقبولیت سے خوف آنے لگا مگر مختار کے نصب العین کا بے باکانہ تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ قاتلان حسین سے ہر قیمت پر دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا اور اس کام کے لئے طاقت جمع کرنا ضروری تھا۔ خواہ اس کام کے لئے اسے عبداللہ ابن زبیر کی مرکزی حکومت کے خلاف ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ اس زمانے میں انتقام خون حسین کے لرزہ خیز نعروں والے دو متحرک لشکر ور بھی تھے۔ ایک سلیمان بن صرد کا' اور دوسرا ابراہیم نخعی کا۔ ابراہیم حضرت میر کے ایک سالار لشکر' وفادار دوست' مالک اشتر (اش ت ر) کا بیٹا تھا۔ مختار نے سلیمان بن صرد کی شہادت ۶۵ ھ کے بعد' ابراہیم نخعی سے تعاون کی درخواست کی اور کہا کہ ہمارا نصب العین ایک ہے تو ہم کیوں نہ باہم مل کر کام کریں۔ اس تعاون کے لئے مختار نے جناب محمد ابن حنفیہ کا ایک فرمان بھی ابراہیم کو دکھلایا۔ مختار نے اب سیاسی حکمت عملی بدل لی اور طے کیا کہ پہلے کوفے پر قبضہ کیا جائے۔ ۶۶ھ ربیع الاول کے شروع مہینے میں انقلاب کا منصوبہ طے ہوا' ۱۴ ربیع الاول مقرر تاریخ کو ابراہیم اور مختار کے ساتھیوں نے عبداللہ بن مطیع (جو عبداللہ بن یزید کے بعد اب حاکم کوفہ تھا) کے محل پر حملہ کر دیا' سلیمان بن صرد کے بچے کھچے ساتھی بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ کوفے کے معتبر لوگ بھی ان لشکروں

سے آملے۔ ابن مطیع بھاگ کر عبداللہ ابن زبیر کے پاس چلا گیا۔ مختار نے عراق کی وسیع و عریض مملکت پر قبضہ کر لیا' البتہ بصرے میں عبداللہ ابن زبیر کا اقتدار ضرور باقی رہا۔

عراق کی مضبوط ولایت اور کوفے کے مرکز شیعیت پر کامل دسترس کے بعد مختار بنوامیہ کے لشکروں سے نبرد آزما ہوا۔ عبدالملک کا عہد اقتدار تھا۔ یزید کی موت کے بعد بنوامیہ اندر سے ایسے مضبوط بھی نہ تھے۔ مروان کی اولاد سے ہر بیٹا اور ہر پوتا حصول سلطنت کے خواب دیکھتا اور اپنے پیش رو کی موت کا انتظار کرتا تھا۔ ان لشکروں کے سپاہی اور افسر جو اکثر لشکر یزید کی باقیات السیات تھے۔ مختار کے نعرہ "ثارات الحسین" سے خائف بھی تھے۔ مزید یہ کہ مختار کے پاس نظریاتی سپاہ تھی' محض تنخواہ دار سپاہی نہ تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مختار کے ساتھ ابراہیم کا تربیت یافتہ لشکر تھا جس کے اکثر سپاہیوں نے انفرادی طور پر خون حسین کے انتقام کی قسم کھا رکھی تھی۔ یہ شیعانِ علی کا ایسا لشکر تھا جو مختار سے بہت پہلے کھڑا ہوا اور جس نے مختار سے بہت پہلے قاتلان حسین سے بدلہ لینے کا عہد کیا۔ خبر آئی کہ ابن زیاد نے مختار کے زیر انتظام علاقے "موصل" پر حملہ کر دیا ہے۔ مختار نے عبدالملک سے براہ راست جنگ کے لئے پہلے یزید بن انس کو بھیجا' وہ مارا گیا' تب ابراہیم بن الاشتر کو روانہ کر دیا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ ابن زبیر کے حامیوں نے مختار کے خلاف کوفے میں بغاوت کر دی۔ یہ بغاوت اس قدر شدید تھی کہ مختار ہل گئے اور انہیں مجبوراً ابراہیم کو واپس بلانا پڑا۔ موصل کے معرکے میں مصروف مختار کا یہ جانباز سپاہی ابراہیم بن مالک' دونوں محاذوں پر دشمن سے نبرد آزما تھا۔ اس نے بڑی تیزی کے ساتھ عبدالملک

کی بچی کھچی شامی سپاہ کو کچل ڈالا اور دوسری طرف عبداللہ ابن زبیر کی تازہ دم فوجوں کو کئی بار پیچھے دھکیل دیا۔ اگر کوفے میں مختار کے خلاف یہ اندرونی سازش نہ ہوتی اور ابراہیم کو موصل کے محاذ سے یوں مجبوری کے عالم میں کوفے واپس نہ لوٹنا پڑتا تو کیا مجال تھی کہ عبدالملک کے تھکے ہوئے خوفزدہ سپاہی جن کے چہروں پر قتل حسین کا داغ اور دامن پر خون حسین کے چھینٹے تھے' ابراہیم کی نظریاتی سپاہ کی تاب لا سکتے۔

جب تک ابراہیم باہر رہا' مختار نے جیسے تیسے دن گزار دئے۔ جونہی ابراہیم واپس آیا' مختار نے اپنے مخالفوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ ان قتل ہونے والوں میں اکثر وہ تھے جو شامی اقتدار کے حامی تھے یا کبھی عبیداللہ ابن زیاد کے لشکر میں رہ چکے تھے' اور مسلم ابن عقیل' ہانی اور دیگر طرفداروں آل محمد کے قتل میں شریک تھے۔ ابراہیم کے کوفہ پہنچتے ہی یا "ثارات الحسین" کے نعروں کی ایسی پکار اٹھی کہ دشمنان اہل بیت اور قاتلین حسین کے دل دہل گئے۔ یہ وہی کوفہ تھا جو کربلا کے معرکے میں شریک ہونے والی فوجوں کی سب سے مضبوط چھاؤنی تھا۔ ابن زیاد نے کربلا کے لئے یہیں کے سپاہی اکٹھے کئے جو بعد قتل حسین یہیں واپس آ رہے۔ جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت اور ان کے "قائم" ہونے پر اصرار کرنے والے صاحب شرطہ ابو عمرہ کیسان (جن کے نام پر فرقہ کیسانیہ ظہور میں آیا) نے مختار کے حکم پر ایک ایک گھر کی تلاشی لی اور جو کربلا کے واقعے میں شریک لشکر یزید کا کوئی ایک بھی شخص وہاں پایا' قتل کر دیا اور گھر جلا دیا۔ جو لوگ اس موقعے پر قتل ہوئے ان میں حرملہ بن کاہل الاسدی' مالک بن نسر' ابن مالک محاربی' عمران بن خالد' عبداللہ بن اسد جہنی جیسے سفاک

لوگ بھی تھے۔

مختار ثقفی کے ساتھیوں میں صاحب شرطہ (پولیس افسر) ابو عمرہ کیسان کا نام ان معنوں میں اہمیت رکھتا ہے کہ یہ پرجوش سپاہی مختار سے بھی کہیں زیادہ اہل بیت کے دشمنوں کے خون کا پیاسا تھا۔ نوبختی اور طبری نے بھی جن شیعہ انقلابی اور مزاحمتی طبقوں کا تذکرہ کیا ہے' ان میں کیسانیہ کے بانی ابو عمرہ کا حال بھی لکھا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس کے نام پر فرقہ کیسانیہ ظہور میں آیا۔ کیسانیہ کا یہ فرقہ بھی خشبیہ (خ ش + ب ی ہ) کی طرح محمد ابن حنفیہ کو امام ماننے والا ہے۔ یہ دونوں فرقے بھی مختار کی اسی فکر کا شاخسانہ ہیں جو کوفے میں انتقام خون حسین کے نام پر شروع کی گئی۔

ابو عمرہ کیسان نے داخلی شورش دبا دی مگر مختار کے لئے ایک تازہ مصیبت اور آکھڑی ہوئی۔ ۶۷ھ میں عبدالملک نے عبیداللہ ابن زیاد کی سرکردگی میں شامی افواج کی از سرنو تنظیم کی اور مختار ثقفی کی قلمرو موصل پر حملے کا حکم دیا۔ ادھر سے عبیداللہ ابن زیاد اور ادھر سے ابراہیم بن مالک اشتر (مختار کے جرنیل) آگے بڑھے۔ خزیر (خ زی + ر) (خ ا + ز ر) کے مقام پر دونوں فوجیں مقابل ہوئیں' حسین کے قتل کی منصوبہ بندی کرنے والا یہ سفاک' ابن زیاد' ابراہیم اشتر کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی معرکے میں عبدالملک کے جرنیل حصین (حُ۔ صَ ئِ ن) بن نمیر' عمرو بن سعد' شمر وغیرہ کام آئے۔ ابراہیم نے ان سب کے سر کاٹے اور مختار کے پاس بھیجے۔ وہاں سے مختار نے ان سروں کو امام زین العابدین کی خدمت میں مدینے پہنچا دیا۔ کہتے ہیں : "ان سروں کو دیکھ کر امام موصوف' بس سجدہ شکر بجالائے۔"

مختار کا کام موصل کے معرکے کے بعد ختم نہیں ہو گیا۔ وہ عبداللہ ابن زبیر کی نگاہوں میں بھی خار بن کے کھٹک رہا تھا۔ کچھ لوگ مختار سے ناراض ہو کر بصرے میں جا پہنچے' مصعب ابن زبیر نے انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ بصرے کی ولایت' کوفے کی ریاست سے نبرد آزما ہونے کے لئے موقعے کی تلاش میں تھی اور یوں بھی سیاسی صورت حال کا تقاضا یہ تھا کہ مختار کو عبداللہ بن زبیر اور مصعب ابن زبیر آگے نہ آنے دیں۔ مختار ابھی عبیداللہ ابن زیاد کو ختم کر کے اچھی طرح سنبھل نہ پائے تھے کہ عبداللہ ابن زبیر کے بھائی' حاکم بصرہ' مصعب نے مختار کے خلاف لشکر کشی کر دی۔

مصعب کے پاس مہلب ابن ابی صفرہ (م ہ ل + ل ب) جیسا جنگجو' تجربہ کار اور پیشہ ور سپاہی موجود تھا۔ سب سے بڑھ کر وہ لوگ بھی مختار کے خلاف اس مہم میں مصعب کے ساتھ آ ملے' جو کوفے سے اس خوف میں نکل بھاگے تھے کہ قتل حسین کے الزام میں وہ بھی دھر نہ لئے جائیں۔ مصعب نے ان سب لوگوں کی مدد سے مہلب بن ابی صفرہ کو کوفے کی طرف روانہ کیا۔ مختار کی افواج سے ان سپاہیوں کی ایک مد بھیڑ اس معرکے سے قبل' مذار ۶۷ھ کے مقام پر بھی ہو چکی تھی' لیکن کوئی فیصلہ ہوئے بغیر یہ دونوں اپنی اپنی جگہ پلٹ آئے تھے۔ مذار کے اس معرکے میں مختار کا بہادر ساتھی ابراہیم بن مالک اشتر بھی مختار کے ہمراہ تھا' مگر مہلب بن ابی صفرہ نے کوفے پر جب اس بار حملہ کیا تو وہ کسی اور مہم پر کوفے سے باہر تھا۔ چنانچہ مختار کی افواج کا مصعب ابن زبیر کی فوجوں سے حرورا کے مقام پر آمنا سامنا ہوا۔ مصعب کے سپاہی زیادہ تجربہ کار اور ان کے افسر بھی پہلے بہت سے معرکوں میں شریک رہ چکے تھے۔ ابراہیم بن

مالک اشتر بھی مختار کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ کوفے کے لوگ بھی حسب روایت بے وفا نکلے۔ مختار کی فوجوں نے پسپائی اختیار کی' مختار خود بھی قلعہ بند ہو گئے۔ تقریبا یہ ایسی ہی صورت حال تھی جسے جناب مسلم ابن عقیل کو عبیداللہ ابن زیاد کے عہد میں پیش آ چکی تھی۔ مختار نے مصعب کی تازہ دم فوجوں کا بہت دن تک مقابلہ کیا' حالانکہ اس کی منظم افواج نصیبین (ن ص ی + ب ی ن) میں مصروف کارزار تھیں' مصعب نے قلعے کا محاصرہ توڑ دیا۔ ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو مختار نے قلعے سے باہر نکل کر بہادری سے مقابلہ کیا اور اس آخری معرکے میں بھی محمد بن اشعث کو قتل کر دیا۔ محمد بن اشعث کی موت اسے بصرے سے کھینچ کر یہاں لائی۔ ہوا یہ کہ جب مختار کے مخالفین اور کوفے کے بعض اشراف نے بصرے میں پناہ لی تو عبداللہ بن زبیر نے مناسب جانا کہ مصعب جیسے سخت گیر حاکم کو وہاں بھیجیں۔ جب مصعب وہاں پہنچے تو سنان ابن انس' مرہ بن منقذ عبدی اور اشعث بن قیس جو مختار کے انتقام خون حسین کے نعرے سے خائف وہاں چھپے بیٹھے تھے کہ محمد بن اشعث' مسلم ابن عقیل کے قتل میں سنان ابن انس اور مرہ دونوں جناب علی اکبر اور حضرت عباس کے قاتلوں میں شمار ہوتے تھے' ان سب نے مصعب کو کوفے پر براہ راست حملے کے لئے مجبور کر دیا' خاص طور پر محمد بن اشعث نے زیادہ اصرار کیا۔ موت اسے یہاں کھینچ کر لائی۔ مختار کی ضرب شمشیر نے اس کا کام تمام کر دیا' مگر مختار خود بھی مارے گئے۔ ان کا سر قلم کر کے مصعب کے سامنے طشت طلا میں رکھا گیا۔ (مروج الذہب مسعودی) ہاتھ کاٹ کر مسجد کوفہ کے دروازے پر لٹکا دئے گئے' جسم مثلہ کیا گیا' چند برسوں بعد اسی مسجد کے قریب حجاج بن یوسف نے ان اعضاء کے کچھ حصے جمع کر کے دفن کئے۔

حجاج جو ظلم و بربریت، سفاکی اور درندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے یہ نیکی اس کے حوالے سے کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔

مختار بلاشبہ ایک ایسا شخص تھا جسے ہم تاریخ کے ایک پراسرار شخص کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ برائیاں اور اچھائیاں، نقص اور کمال، ہر فرد میں کسی نہ کسی طور ضرور موجود رہتے ہیں مگر مجموعی معیار شخصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے کون کون سے امتیازات سامنے آتے ہیں۔ مختار ثقفی کی شخصیت کا نمایاں وصف یہ ہے کہ ایک بڑے ظلم کے خلاف اس نے آواز اٹھائی، بے شک جو لوگ اس ظلم سے براہ راست متاثر ہوئے، انہوں نے اس ظلم کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا مگر یہ اپنی اپنی واردات قلبی اور افتاد طبع کا معاملہ ہے کہ کس وقت کون کس واقعے سے کیا تاثر لیتا ہے اور کیا قدم اٹھاتا ہے۔ مختار نے محب آل محمد کی حیثیت سے واقعہ کربلا کو ایک ایسے تناظر میں دیکھا، جو انتخاب خلافت سے شہادت حسین تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے خیال میں انتقام خون حسین، اہل بیت کی محبت کا تقاضا تھا، حالانکہ ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی گئیں۔ نئے نئے الزامات لگائے، کہا گیا کہ وہ عقیدہ ظہور مہدی کے ایجاد کنندہ ہیں، خون حسین کے نام پر تاج و تخت حاصل کرنا چاہتے ہیں، علم غیب کا دعوی کرتے ہیں، پراسرار و پر فریب شخصیت ہیں، جھوٹی نبوت کے مدعی ہیں، مگر یہ سب باتیں محض افترا تھیں، جو اہل بیت کا پرجوش حامی ہونے کے سبب مخالفین اہل بیت نے ان سے وابستہ کر دیں۔ عموما ہوتا یہ ہے کہ جب ہم کسی کو اپنے مفاد کے خلاف جاتا ہوا دیکھتے ہیں یا وہ ہماری منشاء کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا ہے، تب ہم مزاحم ہونے

لگتے ہیں اور ہم میں عصبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مختار کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ بنوامیہ کے تاریخ سازوں' اہل بیت کی محبت سے عاری لوگوں اور محدود العقل کم فراست عامہ الناس نے مختار کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کیا اور یہ کہ ان کے اقدامات سے جہاں جہاں اندیشہ نقصان تھا' وہاں وہاں انہیں طنز و تعریض کا نشانہ بنالیا گیا۔

مختار ثقفی کا شیعی افکار پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے شیعیت کو محض اصول و فروع اور اعتقاد و عمل تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس بات کا یقین دلایا کہ سیاسی جدوجہد اور مسلح طاقت کے ذریعے ہی دوسروں سے اپنا حق چھینا جا سکتا ہے۔ کمزور لوگوں کو طاقتور لوگ از خود ان کا حق آسانی سے کبھی نہیں دیتے۔ اپنی حق رسی کے لے قیدوبند' مفاہمت اور لشکر آرائی بھی ضروری ہے۔

مختار ثقفی کی اس تحریک انقلاب میں کچھ مذہبی قیادتوں کے حوالے بار بار آئے ہیں۔ ان سب حوالوں میں ایک بنیادی بات امامت' اثناعشر کے برخلاف جناب محمد ابن حنفیہ کی ایک نئی امامت کا ہے۔ دوسری بات جو اس تحریک کے روحانی پہلوؤں سے متعلق ہے وہ غیبت' ظہور اور قائم المہدی کا عقیدہ ہے۔ اسی عقیدے کے وجود نے یقیناً' شیعیت میں ایک نئے فرقے کو پیدا کیا۔ چونکہ اس تقسیم کی بنیاد حضرت علی کے فرزند جناب محمد ابن حنفیہ کی ذات

گرامی پر ہے لہٰذا آئندہ صفحات میں کیسانیہ اور کریبیہ فرقے کے حوالے سے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

کیسانیہ۔ کریلیہ

(بحوالہ جناب محمد ابنِ حنفیہ)

جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت ماننے والا فرقہ کیسانیہ :

طاقت کے ذریعے ہی سے دوسروں سے اپنا حق چھینا جا سکتا ہے یا کمزور لوگوں کو ان کے حقوق از خود نہیں مل سکتے اور اس مقصد کی راہ میں قیدوبند، مصلحت، مفاہمت، لشکر کشی اور معرکہ آرائی بھی ضروری ہے۔

مختار کا یہ ایسا نقطہ نظر تھا جو حضرت سید سجاد کے طرز عمل سے یکسر مختلف تھا، چنانچہ اس خیال کے فروغ کے لئے اہل بیت کے گھرانے سے کسی نمایاں فرد کی ضرورت درپیش تھی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے جناب محمد ابن حنفیہ پر حضرت سجاد کے متبادل کے طور پر مختار کی نظر پڑی۔ اس طرح سیاسی جدوجہد کے لئے مختار کی تحریک کو ایک روحانی مرکز بھی ہاتھ آگیا، یا یوں کہئے کہ اس تحریک میں مختار کے ساتھی ابو عمرہ کی شرکت نے، جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت کے مسئلہ کو بالکل نیا رخ دے کر اس تحریک کو ایک مذہبی اور روحانی تحریک بنا دیا۔

محمد ابن حنفیہ :

خولہ سے امیرالمومنین کے بیٹے ہیں۔ خولہ بنو حنیفہ سے تھیں اس لئے (حنیفہ کی نسبت سے) حنفیہ کا لفظ ان کے ذکر میں آتا ہے۔ یہ خاتون "عقرباء" کے معرکے میں قید ہو کر مدینے لائی گئیں۔ "کتاب الاغانی" میں بھی ان

کا ذکر ملتا ہے۔ محمد ابن حنفیہ' اپنی ماں کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب امیر کی شہادت کے وقت کوئی تئیس چوبیس برس کے تھے۔ ۶۱ ھ کے بعد شیعان علی نے' علی کا بیٹا ہونے کے سبب انہیں اولاد علی میں منزلت کی نظر سے دیکھا۔ اسی حیثیت کے سبب مختار ثقفی نے اپنی تحریک میں بھی ان کا نام استعمال کیا' حالانکہ یہ خود اس جدوجہد کے بہت زیادہ ہم نوا نہ تھے لیکن سیاسی دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ مختار سے علی الاعلان بریت بھی ممکن نہ تھی کیونکہ آل مروان کے ساتھ ساتھ خود عبداللہ ابن زبیر بھی' ان حضرت کا سخت دشمن تھا۔

ایک موقع پر تو مختار ثقفی کی مدد ان کے لئے اور بھی ضروری ہو گئی۔ یہ وہ موقع تھا جب عبداللہ ابن زبیر نے انہیں بیعت پر مجبور کرنے کے لئے چاہ زمزم پر قید کر لیا' تب مختار نے اپنے سپاہی بھیج کر انہیں رہائی دلوائی۔ ان کی ذات گرامی آل علی میں بہت محترم تھی' عمر میں بھی زیادہ تھے اس لئے بہت سے طالع آزماؤں نے ان کے نام کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا' خاص طور پر کیسانیہ نے ان کی امامت تک کا اعلان کر دیا۔ سلیمان بن صرد' ابراہیم بن مالک اشتر اور مختار ثقفی ان تینوں کی سپاہ نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ خون حسین کا انتقام ضرور لیں گے۔ امام زین العابدین نے ان تینوں کی تحریک انقلاب میں کوئی مدد نہ کی' البتہ اتنا ضرور ملتا ہے کہ ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔ خانوادہ اہل بیت سے جناب محمد ابن حنفیہ بس ایک ایسی شخصیت ضرور ہیں جن سے ان لوگوں کے' اور خصوصاً مختار ثقفی کے قریبی تعلقات کا پتا چلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان بن صرد اور ابراہیم بن مالک اشتر کے نام انہوں نے ایسے خطوط بھی لکھے' جن میں

ان تینوں سے جدوجہد کے لئے کہا گیا تھا۔ گو کہ بعض مورخین نے اسے مختار کی کارفرمائی کہہ کر ان خطوط کو جعلی قرار دیا ہے۔ جناب محمد ابن حنفیہ میں سپاہیانہ جذبہ ضرور تھا اور وہ یقیناً انتقام خون حسین کی اس جدوجہد میں اپنا عملی کردار ادا کرنے کے خواہش مند تھے۔ لہٰذا ان سب انقلابیوں نے ان کا نام ایک مقدس شخصیت اور روحانی منصب کے طور پر استعمال کیا' بلکہ ان کے بعض طرفداروں نے انہیں القائم اور مہدی منتظر کی حیثیت سے بھی پیش کیا' چونکہ شیعوں کے ذہن میں مہدی اور قائم (ظلم و جور کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے) کا تصور پہلے ہی سی موجود تھا' اس تصور نے انقلابیوں کے اس پروپیگنڈے کو اور زیادہ تقویت دی' چنانچہ بہت سے لوگوں کو یقین ہونے لگا کہ احادیث میں جس مہدی القائم کا ذکر ملتا ہے' یہ وہی ہیں۔

ان کی وفات ۸۱ ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو بعض لوگوں نے مشہور کر دیا کہ وہ مرے نہیں' غیب میں چلے گئے ہیں۔ مدینے کے قریب رضوی (ر ض + وا) پہاڑی پر ان کا مسکن ہے۔ اس عقیدے کے لوگوں کو کیسانیہ یا خشبیہ کہا گیا ہے۔ یہ کیسانیہ' جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت کے قائل ہیں۔

خشبیہ یا کیسانیہ (ک ے س ا + ن ی ہ) فرقے کا نام کیسان ابو عمرہ (ع م + ر ہ) عرینہ (عُ - رَے + نَ ہ) کے نام پر پڑا۔ کیسان کو صاحب الشرطہ (پولیس افسر) بھی کہتے ہیں۔ اس کو مختار ثقفی نے اپنے عہد حکومت میں کوفے کی پولیس کا سربراہ بنا دیا۔ یہ کوفے کے رہنے والے موالیوں میں سے تھا۔ (اس کا زمانہ حیات ۶۴ھ ہے۔) کوفہ دو طرح کے طبقوں سے آباد تھا۔ ایک اشراف

کہلاتے تھے اور دوسرے موالی (مولی ۔ بمعنی غلام)۔ اشراف وہ لوگ تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے' صاحب حیثیت تھے اور ان کا نسبی تعلق ان آزاد عرب قبیلوں سے تھا جو ہمیشہ سے صنادید عرب چلے آتے تھے۔ موالی' کمزور طبقے کے وہ لوگ تھے جو کبھی غلام رہ چکے تھے یا ایسے قبائل سے ان کا تعلق تھا جو عربوں کی (قبل اسلام) نظر میں زیادہ موقر نہ تھے۔ مختار نے کوفے میں اپنے استحکام کے لئے جو حکمت عملی وضع کی' اس کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اشراف کی نسبت موالیوں کو زیادہ قریب رکھا جائے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مختار کی حمایت میں کوفے کے اشراف کم اور اس کی حمایت میں کوفے کے موالی زیادہ تھے۔ عوام الناس کے طبقے میں مختار کی مقبولیت کا راز بھی یہی تھا کہ اس نے غریب' پسماندہ اور کچلے ہوئے طبقے کو سہارا دیا۔ کیسان صاحب الشرطہ کو پولیس کا محکمہ بھی اسی لئے سپرد کیا گیا کہ وہ عام آدمیوں میں سے تھا اور مختار کا نہایت مطیع و فرماں بردار تھا۔ حضرت محمد ابن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا اور اس نے مختار کے کہنے پر ایک ایک ناصبی کو چن چن کر قتل کر دیا۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص جو حسین کے مقابل کربلا میں یزیدی افواج کا کمانڈر تھا' اسی کیسان ابو عمرہ کے ہاتھوں نہایت اذیت کے ساتھ مارا گیا۔

کیسانیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حسین ابن علی کے بعد علی کا معتمد بیٹا ہونے کی بناء پر امامت محمد بن حنفیہ کا حق ہے۔ صفین میں بھی حضرت علی نے محمد ابن حنفیہ کو لشکر کا علم دے کر یہ بات اور بھی واضح کر دی تھی۔ کیسانیہ فرقے کے خیال میں جناب محمد ابن حنفیہ نے وہ تمام اسرار و رموز بھی حضرت حسن و حسین

سے بطور امانت حاصل کر لئے تھے جو امامت کے لئے ضروری ہیں۔ وہ صاحب غیب ہیں اور منشائے الٰہی کو سمجھنے والے اور تمام علوم ظاہری و باطنی کے جاننے والے ہیں اور یہ کہ وہ مریں گے نہیں' غائب ہوں گے اور جب ظلم و جور ہو گا تو ظہور کریں گے اور یہ ظہور ان کا اب بھی ہے (وفات ابن حنفیہ ۸۱ھ)۔ غیبت کے بعد آئندہ بھی رضوی نامی ایک پہاڑی کے غار سے ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ یہ لوگ اپنی پہچان کے لئے اپنے ہاتھوں میں ایک خاص لکڑی "خشب" کا بنا ہوا ڈنڈا رکھتے تھے جیسا کہ عموماً پولیس والوں کے پاس ہوتا ہے' اس لئے انہیں خشبیہ بھی کہا جاتا ہے۔ انہی کیسانیہ یا خشبیہ کے افکار' مختار کا عقیدہ کہے جاتے ہیں۔ شہرستانی' طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ کیسانیہ اور مختاریہ ایک ہی فرقے کے نام ہیں' چونکہ ابو عمرہ کیسان کوئی بڑا آدمی اور صاحب حیثیت نہ تھا جب مرا تو بالکل معدوم ہو گیا اس لئے لوگ اس فرقے کو مختار ثقفی کی نسبت سے "مختاریہ" کہنے لگے' لیکن اب تاریخ کے تسلسل میں مختاریہ نام اس فرقے کا باقی نہیں' کیسانیہ کے نام ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس فرقے کا نام' کیسان ابو عمرہ کے نام پر نہیں' بلکہ کیسان مختار کا اپنا نام تھا' یا کہا گیا کہ اس فرقے کا نام جناب امیر کے ایک غلام کیسان کے نام پر ہے۔ یہ غلام جنگ صفین کا شہید ہے اور اس کے عقائد میں محمد ابن حنفیہ چونکہ بہادر' جنگجو اور اولوالعزم سپاہی ہیں اس لئے علی کے بعد علی کی بہادرانہ حیثیت کی نمائندگی کے وہ یقیناً اہل ہیں۔

کیسانیہ کے عقائد میں زمانے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا پھر وہ

حضرت علی سے منسوب ایک کرسی کو متبرک سمجھ کر اس کی قربت میں دعا مانگتے اور اس کی شبیہ بناتے۔ کیسانیہ سے ایک اور شاخ' ابو کریب کے عقیدے سے پیدا ہو گئی' اسے کریبیہ کہا جانے لگا۔

کریبیہ : (ک رے + ب ی ہ)

کیسانیہ میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ جناب محمد ابن حنفیہ کو موت نہیں آئی۔ وہ زندہ ہیں' اور مدینے کے قریب ایک پہاڑی (رضوی) پر چلے گئے ہیں جہاں سے مناسب وقت پر وہ ظہور کریں گے۔ یہ لوگ کریبیہ کہلائے۔ ان کے عقیدے میں رضوی پہاڑی پر' شہد اور ٹھنڈے پانی کے چشمے ہیں' ایک شیر اور چیتا ہے جو جناب محمد ابن حنفیہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اس فرقے کو کریبیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کیسانیہ گروہ کا ایک شخص ابو کریب (ک رے + ب) اس فکر کا بانی تھا۔ وہ کہتا تھا' جناب محمد ابن حنفیہ زندہ ہیں اور دنیا جب ظلم و ستم سے معمور ہو جائے گی' تب وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی طرح ظہور کریں گے۔ کیسانیہ اور کریبیہ کے دو پرجوش اہل قلم' جنہوں نے یہ خیالات آگے بڑھائے' ابن کثیر اور حمیری (ح م + ی ر ی) ہیں۔ کچھ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حمیری نے بعد میں اپنے ان عقائد سے توبہ کر لی اور اثنا عشری عقیدے کی طرف رجوع کر لیا (ارشاد : شیخ مفید)

کیسانیہ کے عقائد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے خدا اپنا حکم بدل بھی سکتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس پر امامت اثنا عشر

کے برخلاف دوسری امامتوں کے قائل لوگوں نے اپنے عقائد کی بنیاد رکھی۔ یہی اصول بدا ہے' اور اسی اصول کا اطلاق محمد ابن حنفیہ کے ماننے والوں نے ان پر' زید ابن علی کے ماننے والوں نے ان پر' اور اسمٰعیل ابن جعفر کے جاننے والوں نے ان کی امامت پر کیا۔ محمد ابن حنفیہ کی وفات ۸۱ھ کے بعد ان کے ماننے والوں میں اختلافات شروع ہو گئے۔ محمد ابن حنفیہ کے دو بیٹے تھے۔ علی ابن محمد اور ابو ہاشم۔ کیسانیہ کے ایک گروہ نے علی ابن محمد کو اور دوسرے نے ہاشم کو اپنا امام بنا لیا۔ اس طرح یہ لوگ بنو عباس تک آتے آتے محض تاریخ میں زندہ رہ گئے۔ اب ان کا کوئی وجود باقی نہیں۔ محمد ابن حنفیہ کے فرزند ابو ہاشم کی سرگرمیاں' نسبتاً اپنے بھائی علی ابن محمد کے' زیادہ تھیں' لہٰذا تاریخ میں بعض حوالوں سے ان کا تذکرہ ضرور مل جاتا ہے (چنانچہ آئندہ دیکھئے "نفس زکیہ اور ابو ہاشم" کے ذیل میں ابوہاشم کا دعوی امامت)

امام حسین کے دلدوز قتل اور ان کے رفقاء کی بے رحمانہ موت سے' اہل بیت کے بعض طرفدار' بنوامیہ کے شدید مخالف ہو گئے اور وہ چاہتے تھے کہ ان ظالموں کے ظلم کے خلاف کوئی جوابی قدم اٹھایا جائے لیکن خود اہل بیت کے ممتاز فرد' حضرت زین العابدین ان کے کسی طرح حامی نہ ہو سکے۔ ایک طرف سید سجاد کا صلح پسند رویہ تھا' دوسری طرف ان کے پرجوش حامیوں کا نعرہ انقلاب تھا۔ امام نے وہی کیا' جسے ان کی مصلحت نے چاہا اور امام کے برعکس ان کے ہمدردوں نے بھی وہی کیا جسے انہوں نے چاہا۔ اس اقدام میں کون غلط رہا اور کون صحیح' تاریخ کی عدالت نے یہ فیصلہ کر دیا۔ البتہ حضرت زین العابدین اور

خون حسین کا انتقام لینے والوں کے مابین فیصلے کا یہ اختلاف' کسی طور بھی مختار اور ان کے حامیوں کی' امام سے سرکشی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت سجاد کی شخصیت اپنوں اور غیروں' سب کی نظر میں قابل احترام تھی لیکن نقطہ نظر کا اختلاف اس احترام کی نفی میں بطور جواز نہیں لایا جا سکتا۔ یہ دنیا مختلف انسانوں کی انجمن ہے' طرح طرح کے خیالات' معیار عقل اور ارادے والے لوگ یہاں بستے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی ایک باپ کی اولاد کسی ایک گھر کے افراد یا کسی ایک جیسے ماحول کے لوگ ایک ہی طرح کے عمل اور ردعمل کا مظاہرہ کریں۔ یہی معاملہ اہل بیت اور ان کے طرفداروں کا ہے۔ حضرت امیر سے حضرت امام حسن عسکری تک سماجی اور سیاسی معاملات کے بارے میں کوئی ایک جیسا لائحہ عمل نظر نہیں آتا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ہر اقدام کی نوعیت ذاتی تھی۔ جس شخص نے جس صورت حال میں جو قدم اٹھایا' اس کے خیال میں اس وقت کی حکمت کا وہی تقاضا تھا۔ لہٰذا حضرت سید سجاد سے جناب زید (ان کے بیٹے) نے جو مختلف راہ اختیار کی وہ کسی بھی اعتبار سے سرکشی قرار نہیں دی جا سکتی۔ جناب زید نہایت جوشیلے' بے باک اور طرار جوان تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان پر بنوامیہ کے ظلم کو برداشت نہیں کیا اور اپنے کم وسائل کے باوجود میدان جہاد میں کود پڑے۔ کامیابی اور ناکامی کے قطع نظر اس میدان میں ان کی آمد سے شیعی عقائد نے ایک نیا رخ ضرور اختیار کر لیا چنانچہ ان کی شہادت کے بعد ایک نیا فرقہ ظہور میں آگیا۔ جناب زید کی امامت کے قائل اس فرقے کو "زیدیہ" کہا جاتا ہے۔

زیدیہ، جارودیہ، سرحوبیہ

(بحوالہ جناب زید بن علی)

جناب زید ابن علی کی امامت ماننے والے فرقے زیدیہ' جارودیہ وغیرہ

جناب زید بن علی ابن الحسین ۷۵ اور ۸۰ھ کے درمیان مدینے میں پیدا ہوئے۔ جناب زید کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے' ابن عساکر نے "تہذیب" میں ۷۸ھ اور ناجی حسن نے' ثورہ زید میں' ۸۰ھ بتلائی ہے۔ جب جناب علی ابن الحسین نے ۹۵ھ میں شہادت پائی' جناب زید کی عمر اس وقت پندرہ بیس برس سے زیادہ نہ ہو گی۔ امام محمد باقر زید سے بڑے تھے۔ ان کی عمر اس وقت کوئی چالیس بیالیس برس ہوگی۔ یہ زمانہ بنوامیہ کا تھا۔ جناب زید کی سیاسی سرگرمیاں' ان کی عمر کے ۳۵ ویں برس کے بعد شروع ہوئیں۔ یہ زمانہ ہشام بن عبدالملک کا تھا۔ ہشام نے انہیں قید میں بھی رکھا۔ عمر بن یوسف والی کوفہ نے اپنے پیشرو حاکم خالد بن عبداللہ کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کچھ سرکاری رقم خالد کے پاس تھی جو اس نے زید بن علی کے پاس بطور امانت رکھوائی تھی' یوسف بن عمر نے زید بن علی سے کہا کہ یہ رقم ادا کریں۔ جناب زید نے الزام سے انکار کیا اور بے گناہ ثابت ہوئے۔ پھر وہیں کوفے میں مستقل قیام پذیر ہو گئے۔ ۱۲۰ھ میں کوئی بیالیس برس عمر پا کر وفات پائی۔ زیدیہ فرقہ انہی زید کے نام سے منسوب ہے۔ جناب زید نے از خود نہ دعوی امامت کیا' نہ امامت منصوص سے کوئی اختلاف۔ لیکن زید کی شہادت کے بعد' باقاعدہ ایک فرقہ زیدیہ ظہور میں آیا جو برس ہا برس چلتا رہا اور آج بھی یمن اور طبرستان کے علاقوں میں اس کے پیروکار موجود ہیں۔ اس فرقے کے جو عقائد مذہبی شروع میں تھے' اب وہ نہیں

رہے اور ان میں زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہیں۔ زیدیہ کے بنیادی عقائد یہ ہیں :

صاحب سیف ہی امام ہو سکتا ہے۔ گوشہ نشین شخص امام نہیں ہو سکتا۔

ذات الٰہی منزہ عن الجسم ہے اور صفات عین ذات ہیں۔

امامت اولاد علی و فاطمہ سے مخصوص ہے۔

امام ظاہر ہوتا ہے' غیبت اختیار نہیں کرتا (ہرچند کہ بعد کے زیدیہ نے اس عقیدے کو تبدیل کر لیا)

امام ظلم و جور کے خلاف مسلح مزاحمت کرتا ہے۔

امام شجاع' فقیہ اور عالم شریعت ہوتا ہے۔

امامت توریثی نہیں ہوتی۔

خلفائے اول و ثانی حضرات ابوبکر و عمر خلیفہ برحق تھے۔

فاضل کی موجودگی میں مفضول امام نہیں ہو سکتا الاکہ فاضل اپنے حق سے دست کش ہو جائے۔

انہی معنوں میں زیدیہ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے قائل ہیں کہ جناب امیر نے ان دونوں صاحبوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا' نہ خلافت چھیننے کی کوشش کی۔ بہ ایں اعتبار زیدیہ ان حضرات کے احترام و اکرام کے قائل ہیں۔ (الاشعری ر مقالات الفرق ر انسائیکلو پیڈیا اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور بحوالہ زیدیہ)

جناب زید ابن علی ابن الحسین کے اس رویے کو خاص الخاص اس تناظر میں بھی دیکھنا چاہئے جو بعد پیغمبر ﷺ حضرات شیخین کے ساتھ اپنایا۔ جناب زید نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں وہی اصولی رویہ اختیار کیا جو ان کے جد گرامی حضرت امیر کا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جناب زید نے ان حضرات پر تبرے کے عمل کو روکا۔

حضرت امیر کا رویہ کیا تھا؟ حضرت نے بعد زمانہ پیغمبر ﷺ ان حضرات سے اصولی اختلاف تو کیا' وہ حضرت کے منصب کا تقاضا تھا لیکن تدبیر منزل' مدنیت اور سماجی عمل کے معاملات میں حضرت نے ان اصحاب کے ساتھ کسی طرح کی دوری اختیار نہ کی بلکہ یہ کہ ان کے ناموں سے بھی نفرت کا اظہار نہ کیا حالانکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس شخص سے ہمیں نفرت ہو' ہم اس کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے مگر حضرت امیر کے کئی بیٹوں کا نام انہی ناموں جیسا ہے۔ شیعی تہذیب میں اب جو بعض ناموں سے دوری پیدا ہو گئی ہے' یہ زمانے کے طویل سفر کا نتیجہ بھی ہے اور یہ کہ جن ناگوار واقعات سے (بہ خیال شیعیت) ان ناموں والے افراد کا تعلق ہے' ان واقعات کا تجزیہ اور تذکرہ سنتے سنتے اور پڑھتے پڑھتے ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے۔ اس مسلسل تذکرے کے نتیجے میں ان افراد کے بارے میں ایک محکم رائے قائم کر لی گئی ہے۔ یہ اس تاثر کا نتیجہ بھی ہے جو ان اسماء کو شیعی لغت میں استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا' حالانکہ دوسری صدی تک کی تاریخ شیعیت یہ بتلاتی ہے کہ ایسے نام خانوادہ اہل بیت میں رکھے جاتے رہے۔ جناب امام علی نقی کی ایک صاحبزادی (حضرت حسن

عسکری کی بہن) کا نام عائشہ تھا۔ (ارشاد شیخ مفید) گو کہ نام کسی بھی شخص سے موسوم ہو کر، مخصوص بالذات نہیں ہوا کرتے۔ یہی نام جو خلفائے ثلاثہ کے ہیں حضرت علی کے دیگر احباب اور پسندیدہ افراد کے بھی ہو سکتے ہیں، لیکن تاریخ اہل بیت ایسے پسندیدہ لوگوں کا پتا نہیں دیتی جن کے یہ نام ہوں اور حضرت نے ان لوگوں کے ناموں کے سبب اپنے بیٹوں کا نام ابوبکر، عمر، عثمان رکھا ہو، البتہ یہ ضرور ہے کہ ایسے نام حضرت کے کئی طرفداروں کے بھی مل جاتے ہیں۔ حضرت امیر کا رویہ ان حضرات کے ساتھ کیا تھا اور خاندانی مراسم کیسے تھے؟ اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جناب ابوبکر کی وفات (۱۳ھ) ہوئی، ان کی بیوی جناب اسماء بنت عمیس (عُ۔ مَ ے سْ) سے حضرت امیر نے نکاح کر لیا۔ یہ خاتون، محمد بن ابی بکر، حضرت ابوبکر کے کم سن فرزند کو جو ان کے بطن سے تھے، اپنے ہمراہ لائیں، یہیں سایہ امامت میں پلے بڑھے، جوان ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "محمد ابوبکر کے صلب سے، میرا فرزند ہے" شرح نہج البلاغہ ج (i) طبع حیدر آباد دکن ص ۲۱)

جناب ابوبکر کے بیٹے محمد کو ثالث حسنین ہونے کا یہ اعزاز تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔ یہ اسی نسبت اور محمد بن ابی بکر کے اہل بیت کی طرف اسی میلان کا نتیجہ ہے کہ ان کی شخصیت کا شمار، سواد اعظم کی پسندیدہ شخصیات میں نہیں کیا جاتا اور اسی جرم کے تحت "ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں ان جناب کی مذمت میں بہت زہر اگلا ہے۔" (محمد بن ابی بکر : مرزا محمد عالم، سرفراز پریس لکھنؤ) مگر ابن تیمیہ کا یہ غصہ شاید اس لئے ہے کہ جنگ جمل میں وہ اپنی بہن

(ام المومنین حضرت عائشہ) کے خلاف حضرت امیرالمومنین علی کی طرف سے صف آراء تھے۔ میدان جمل میں ام المومنین کے ہودج والے اونٹ کے پیر قطع کرنے والے لوگوں میں سے ان کا شمار بھی ہوتا ہے۔ انہی وفاداریوں کے سبب' خلیفہ اول کے یہ فرزند دامن حیدر میں کس طرح سرافراز ہوئے' عالم طفلی میں آئے' لڑکپن گزارا' مسیں بھیگیں' دیکھتے دیکھتے ۲۷ برس کے جوان رعنا ہو گئے۔ جناب امیر حکمران ہوئے۔ انہیں جناب امیر نے مصر کا حاکم بنا دیا۔ وہاں معاویہ ابن ابی سفیان کے طرفداروں کے ہاتھوں(۳۸ھ) قتل ہوئے۔ ان کے نیم جاں لاشے کو' ایک مردہ گدھے کی کھال میں سی کر آگ لگا دی گئی۔ ان کا نام قتل عثمانؓ کے واقعات میں بھی بڑی شدومد کے ساتھ آتا ہے۔ یہی محمد بن ابی بکر ہیں 'جن کے بیٹے جناب قاسم کی بیٹی فروہ سے امام باقر کا عقد ہوا اور نسل ائمہ آگے بڑھی۔

محمد بن ابی بکر کی ماں اسماء بنت عمیس' جناب امیر کے نکاح میں حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد آئیں۔ یہ خاتون حضرت ابوبکر کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کے بھائی' جناب جعفر طیار کی زوجیت میں تھیں اور انہی کے بطن سے جناب جعفر طیار کے بیٹے عبداللہ ابن جعفر(شوہر زینب) ہیں (چہاردہ معصومین حُسین عماد)

اسماء بنت عمیس کے یہ واقعات ان احوال و آثار کی طرف ہمارا ذہن ضرور منتقل کرتے ہیں' جو ان خاندانوں کے مابین تعلقات کی استواری میں نظر آتے ہیں اور اسی تناظر میں جناب زید بن علی ابن الحسین نے حضرات شیخین

سے برات نہیں کی۔ بعض مورخین نے جو یہ کہا ہے کہ زیدیہ کا جھکاؤ اہل سنت کی طرف ہے' شاید اسی سبب سے کہا ہو۔ بلکہ بعض مورخوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جناب زید بن علی کا اپنے بھائی' حضرت محمد ابن علی (باقر) سے اختلاف محض اسی سبب سے شدید تھا کہ ان (باقر) کے پیروکار اصحاب ثلاثہ سے اظہار برات پر مصر تھے اور یہ (جناب زید) ایسا نہ چاہتے تھے۔

امام ابو زہرہ نے لکھا ہے کہ فقہی مسائل میں زیدیہ فرقے کا جھکاؤ' فقہ حنفی کی طرف ہے۔ اسی سبب سے شیعوں کے مشہور عالم' شیخ مفید نے' زیدیہ عقائد کے رد میں اپنی کتاب "المسائل فی الرد الزیدیہ" تصنیف کی اور نہایت تفصیل کے ساتھ زیدیہ کے مقابل اثنا عشری' شیعیت کا نقطہ نظر واضح کیا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے' خود جناب زید کا اپنی امامت پر اصرار ہرگز نہ تھا اور نہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت امام باقر کی پاکیزگی' نیکی اور بزرگی سے انکار کیا البتہ بعض معاملات میں جناب زید نے' اجتہادی طور پر' حضرت امام محمد باقر سے اختلاف رائے ضرور کیا مگر یہ اختلاف ان بنیادی معاملات و مسائل میں تھا جن پر مسلک امامیہ کی اساس قائم تھی۔ یہ اختلاف رائے محض اجتہادی فکر کا نتیجہ ہوتا تو ایسی بات اہم نہ تھی' مگر اس اجتہاد کے نتیجے میں زیدیہ اور اثنا عشریہ میں وہ بعد پیدا ہو گیا جو آج تک ان دونوں کو ایک الگ فرقے کی حیثیت سے تقسیم کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس تفریق کا نمایاں رخ یہ تھا کہ شیخین واجب الاحترام ہیں' انہیں امام امت ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ خود جناب زید کے فرامین ایسے ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ رسول مانتے

تھے۔ امامیہ کے عقیدے میں امام کی اطاعت واجب ہے۔ ان معنوں میں جناب زید کے لئے حضرت باقر امام واجب الطاعت تھے مگر جناب زید نے خاموش، غیر متحرک اور عزلت نشین امامت کو تسلیم نہیں کیا اور خود بغیر اذن امام جابر حکومت کے خلاف سرگرم جہاد ہو گئے۔ ایسے ہی تمام اجتہادات کی بنا پر حضرت ابوحنیفہ اور جناب زید کے فقہی نظریات میں ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ جناب ابوحنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ جابر سلطان اور شریعت سے منحرف ریاست کے خلاف جہاد بالسیف کیا جائے اور اگر جہاد بالسیف کا امکان نہ ہو تو اس کے امکانات کی سعی کی جائے۔ یہی وہ مسلک تھا جس کے نتیجے میں امام ابوحنیفہ نے جناب زید کا ساتھ دیا۔ ان کی تحریک کے لئے روپیہ فراہم کیا اور اپنے معتقدین کو جناب زید کی مدد کے لئے بزور الفاظ میں سفارش کی۔ اس سے پہلے وہ زید کے جہاد کو معرکہ بدر سے مماثل قرار دے چکے تھے۔ انہی سب وجوہ سے امام ابوحنیفہ پر منصور نے سختیاں بھی کیں۔ انہیں جسمانی آزار بھی پہنچائے، کوفے کے جہاد کو معرکہ بدر سے مماثل قرار دینے میں وجہ شبہ یہ تھی کہ اس جہاد میں زید کے ہمراہ کوئی تین سو افراد سے زیادہ نہ تھے۔ جہاد کے بارے میں جناب زید کا خیال یہ تھا کہ ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کے لئے جونہی تین سو تیرہ (۳۱۳) افراد کا لشکر میدان میں آ جائے جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ جناب زید کے علمی تبحر کے بھی معترف تھے۔ جناب زید کو ابتداء ہی سے قرآن مجید سے خصوصی شغف رہا۔ "ثورہ زید" جو ان کی شخصیت اور کردار پر معرکہ آراء رسالہ ہے، اس میں ان کے اقوال و افکار کی بہت سی نظیریں مل جاتی ہیں۔ اسی کتاب میں ان کا قول درج

ہے کہ "میں تیرہ سال مستقل قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہا' اور اس تلاوت کے دوران میں نے قرآن مجید کے معارف پر بھی غور و فکر جاری رکھا۔ اس دوران مجھے یقین ہوا کہ حصول رزق کے لئے کوشش شرط نہیں اور معرفت و عبادت اللہ کا فضل ہے۔" انہی اوصاف کی بنا پر ان کا لقب "حلیف القرآن" مشہور ہوا۔ اسی کثرت تلاوت کے سبب ان کی قرات ایک سند قرار پائی۔ امام ابوحنیفہ جناب زید کے ان علمی معارف اور زہد و تقوی سے بھی متاثر تھے اور مدینے کے قیام میں وہ جناب زید سے استفادہ علمی بھی کر چکے تھے۔ جناب زید شجاعت اور شمشیر کے ساتھ ساتھ قلم اور زبان کے بھی دھنی تھے۔ پرجوش خطیب' انشاء پرداز' شاعر' نکتہ رس' حاضر جواب اور زیرک تھے۔ ہشام نے ایک بار برسردربار آپ کے ام الولد ہونے کی طرف طنزاً اشارہ کیا تو آپ نے برجستہ کہا تھا کہ وہ انبیاء اولوالعزم خداوند عالم کی نظر میں کیا کچھ کم رتبہ تھے جن کی اولاد میں مزید انبیاء پیدا ہوئے؟ یہ لطیف اشارہ تھا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی طرف جو ایک کنیز ماں سے تھے۔

امام ابوحنیفہ جناب زید کی اثر آفریں اس شخصیت کے ہمیشہ دل و جاں سے معترف رہے۔ جناب زید' مظلوم بن کر زندہ رہنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا وہی مسلک تھا جسے امام حسین نے اختیار کیا۔ الموت اولی من رکوب العار عزت کی موت' ان کے نزدیک ذلت و حقارت کی زندگی سے بدرجہا بہتر تھی اور انہیں یہ گوارہ تھا کہ اعلان حق کی راہ میں مرجائیں' گھربار لٹ جائے' نیزوں' تلواروں اور تیروں سے ان کے بدن چھلنی ہو جائیں مگر

غاصب اور ظالم حکومت کے عطایا و اموال اور بیت المال سے حاصل کی ہوئی آرام دہ اور پرسکون زندگی گوارہ نہ تھی۔ وہ اس عبادت کو بے کیف جانتے تھے جو ظلم و جور کے سائے میں کی جائے۔ استبداد کے مقابل سپردگی کا تصور ان کے ذہن میں دور دور تک نہ تھا۔ انہوں نے پر آسائش' طویل اور آسودہ زندگی کے مقابلے میں جوانی کی مردانہ موت کو ترجیح دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ زندگی بسر کرنے کے معاملے میں انہوں نے اپنے محترم والد اور ذی عزت بھائی کے رویے کو بھی دیکھا۔ بھتیجے جعفر کی زندگی پر بھی نظر رکھی' لیکن انہوں نے اپنے لئے ان صاحبوں سے بالکل مختلف راستے کا انتخاب کیا۔ نہ صرف خود یہ بلکہ ان کے بعد ن کے بیٹوں عیسی اور یحی بھی عزیمت و استقامت کے اسی جادے پر گامزن رہے۔ یحیٰی نے ولید ابن یزید کے خلاف جہاد کیا اور شہادت پائی۔ یحیٰی کے بعد عیسٰی نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ یحیٰی اور عیسٰی کے علاوہ جناب زید کے دو بیٹے حسین اور محمد بھی تھے۔ حسین کو ذوالدمتہ بھی کہتے ہیں۔ محمد بن زید اور حسین بن زید' دونوں کی روش سپاہیانہ نہ تھی اس لئے بعض زیدیہ نے اپنے سلسلہ امامت میں ان دونوں کو شمار نہیں کیا۔

جناب زید کے بعد' ان کے ماننے والوں نے انہیں امام بتلایا اور مذہب میں ایک مخصوص عقیدے کا بانی سمجھ کر اس کی پیروی کی اور جو ان میں اہل عقل اور دانش مند تھے' انہوں نے احتیاط و غور و فکر کے ساتھ جناب زید کی فکر کو شریعت کی صورت میں مدون کیا۔ یمن' دیلم اور بحر خزر کے علاقوں میں انہوں نے اپنی حکومتیں بھی قائم کیں اور امامتیں بھی۔ بحر خزر کے علاقوں میں

الحسن بن زید (۵۲۰ ھ)' دیلم میں الحسین بن علی (۴۱۴ ھ) اور یمن میں محمد بن ابراہیم طباطبا کے بھائی القاسم الرسی کے پوتے الہادی یحییٰ ابن الحسین امام بنے۔ زیدیہ عقیدے میں جو لوگ امامت کے سزاوار نہ ہوں لیکن زیدیہ فکر مذہب کے رہنما اور بدرجہ کمال داعی ہوں انہیں محتسب' مقتصد اور داعی کہا جاتا ہے۔ جناب زید دین کی بقا اور شریعت کی استقامت کے طالب محض نہ تھے۔ اس جہت میں عملی تدبیروں کو بروئے کار لانے میں ہمہ وقت مستعد رہتے تھے اور اپنے نظریہ' جہاد بالسیف کے لئے دن رات محنت بھی کرتے۔ کوفے میں رہتے ہوئے ہی حکومت ان کا سراغ نہ پا سکی حالانکہ ان کے بہت سے طرفدار اور حامی' تہدید کے طور پر' کوفے میں نہایت بے دردی سے قتل کر دئے گئے۔ جناب زید' جنگ کی حکمت عملی کو بھی بخوبی جانتے تھے اور جنگی مہمات میں منصوبوں کے اخفاء کی اہمیت کو بھی خوب سمجھتے تھے۔ جہاد کی جو تاریخ بنوامیہ کے عمال تک پہنچوائی تھی اس تاریخ سے قبل ہی ایک منظم منصوبے کے تحت محرم ۱۲۰ھ کی کسی تاریخ کو' کوفے کی گلیوں میں نکل آئے۔ ان سپاہیوں کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں اور زبانوں پر یا "منصور امت" کا نعرہ۔ زید جامع مسجد کوفہ میں اپنے بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ مسلح تھے۔ یوسف بن عمر کے سپہ سالار کیسان کلبی نے بھرپور حملہ سے مسجد جامع کے مورچے کو توڑ دیا' جناب زید مردانہ وار لڑتے ہوئے کوفے کے دارالرزق (اجناس اور غلے کے گوداموں) تک آ پہنچے۔ آپ کے رفیقوں نے دارالرزق پر مکمل قبضہ کر لیا' سینکڑوں سپاہی بنوامیہ کے مارے گئے۔ زید کے جانثار بھی جاں بحق ہوئے۔ سلیمان بن کیسان نے

تیراندازوں کی مدد سے لشکر زید پر تیروں کی بارش کر دی' ایک تیر جناب زید کی پیشانی پر آ لگا۔ زخم گہرا تھا حالت غیر ہو گئی تو کہا الحمد للہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا نہ کرتا تو قیامت کے روز آنحضرت ﷺ کے سامنے شرمندہ ہوتا۔ پیشانی کا زخم مہلک ثابت ہوا' جانثاروں نے لاش اٹھائی اور بڑی ہمت و تدبیر کے ساتھ "عبابسیہ" میں لے گئے۔ وہاں جو نہر بہتی تھی' اس کے قریب دفن کر دیا اور پھر نہر کا پانی کاٹ کر اس پر بہا دیا لیکن بنوامیہ کو اس کی خبر مل گئی اور انہوں نے یہ لاش وہاں سے نکال لی۔ یوسف بن عمر نے سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا اور جسم کو سولی پر لٹکا دیا۔ کناسہ کے مقام پر یہ سولی بنائی گئی تھی۔ کہتے ہیں دو تین سال تک وہاں یہ جسم سولی پر لٹکتا رہا' یہاں تک کہ فاختہ نے جسم میں آشیانہ بنا لیا۔ جسم سولی سے اتارا گیا' ہڈیاں جلائی گئیں' راکھ اڑا دی گئی اور بچی ہوئی ہڈیاں فرات میں بہا دی گئیں۔

جناب زید کی شہادت کا واقعہ ۱۲۰ھ سانحہ کربلا کے تقریباً ۶۰ برس بعد کا ہے۔ (ثورہ زید : ناجی حسن: ص ۲۵)

جناب زید کے بعد زیدیہ' تاریخ بتلاتی ہے کہ زیدی فقہاء نے وقتاً فوقتاً اپنے اجتہادات میں تبدیلی کی۔ جناب زید کے بعد بعض نے ان کے تمام بیٹوں کو امام تسلیم کیا' بعض نے نہیں کیا' بعض نے ان کا سلسلہ امامت حضرت ابوبکر و عمر سے شروع کیا' بعض نے جناب امیر سے۔ موجودہ زیدیہ کے مطابق مسلمہ ترتیب امامت یوں ہے : حضرت علی' حضرت حسن' حضرت حسین' حضرت ، زید' یحییٰ' محمد' ابراہیم' یحییٰ ثانی' محمد ابن ابراہیم طباطبا' القاسم الرسی۔

جناب زید کے بعد ان کے بیٹوں کو زیدیہ نے امام تسلیم کیا لیکن ان کے چاروں بیٹوں کے بعد اس سلسلے میں قدرے خاموشی سی چھائی رہی مگر کچھ ہی عرصے بعد جناب زید کے ایک بھائی علی کے بیٹے ناصر العطروش نے خراسان میں دعوی امامت کر دیا۔ ہجری ۳۰۳(۹۱۳ء) میں اس نے ایک کثیر لشکر جمع کر کے مازندران وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بہت عرصے ناصر العطروش کی اولاد طبرستان اور مازندران میں حکمرانی کے ساتھ ساتھ امامت بھی کرتی رہی۔

چونکہ "زیدیہ" مسلک کے مطابق ہر وہ شخص جو اولاد فاطمہ سے ہو' ظلم و جبر کے خلاف' طاغوت کے سامنے سینہ سپر ہو' عالم شریعت اور متقی بھی ہو' امام امت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہر دور میں "زیدیہ" نے اسی اصول کو اپنائے رکھا۔ ہمارے قریب تر زمانے میں بھی "یحییٰ" نامی ایک زیدیہ نے عثمانی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور دعوی امامت کر دیا۔

زیدیہ عقیدہ' خود جناب زید کا کوئی اپنا وضع کردہ عقیدہ نہ تھا۔ یہ تو ان کے بعد کے لوگوں کی تشریحات کا نام ہے۔ ان لوگوں میں بعض ان کے ساتھ شریک جہاد بھی رہ چکے تھے' بعض وہ تھے جنہوں نے جناب زید کے انقلابی خیالات کی تائید کو تائید حق سمجھ کر از سرنو مرتب کیا۔ زیدیہ فرقے کا مشہور فقیہہ ابوالحسن عبداللہ مفتاح زیدی اپنی تصنیف المنتزع (مُ نْ+ تَ زَ ع) میں زیدیہ فکر کا بانی الجارود کو بتلاتا ہے۔ ابوالحسن عبداللہ مفتاح کے خیال میں اس فرقہ زیدیہ کو فروغ دینے والا اصل شخص' زیاد بن منذر عبدی ہے' اسی کو جارود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

الجارودیہ :

جارودیہ کا بانی ابوالجارود زیاد بن منذر عبدی تھا۔ یہ شخص آنکھوں سے معذور تھا۔ حضرت امام محمد باقر کے قریب تر لوگوں میں اس کا شمار تھا۔ انہوں نے اس کا نام سرحوب (اندھا : سمندری شیطان) رکھا۔ اسی سبب سے الجارودیہ فرقے کو بعض مورخین نے سرحوبیہ بھی بتلایا ہے۔

جارودیہ، دراصل زیدیہ فرقے ہی کی ایک شاخ ہے۔ ہر فرقہ جس جس شخص کی قیادت میں آتا رہا، اس میں خیالات، عقائد اور مقاصد کے زیر اثر اضافہ ہوتا رہا۔ زیدیہ بھی اصلا زیدیہ نہ رہ سکا۔ شروع شروع میں جناب زید کے عقائد دینی میں حضرات شیخین، جناب ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت کو خلافت حقہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا رہا، لیکن ابوالجارود نے ان حضرات کو رد کر دیا اور کہا کہ علویوں اور فاطمی سادات کی موجودگی میں کوئی غیر، امام امت نہیں بن سکتا، بلکہ وہ اس حد تک آگے آئے کہ ایسا سمجھنے والا، ان کے نزدیک کامل مسلمان بھی نہ رہ سکا۔ ان لوگوں کے نزدیک امام ایک غیبی قوت اور روحانی طاقت سے متصف رہتا ہے، جس وقت اور جب چاہے ہر طرح کے علم سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اکتسابی مدارج سے اسے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے علم کا مدار سراسر وہب اور عطائے ربانی پر ہوتا ہے۔ امامت مہدی منتظر کے قائل تھے، لیکن ان کے نزدیک مہدی وہ نہیں جو اثنا عشریہ کے نزدیک ہے۔ الجارودیہ کے مہدی منتظر مختلف زمانوں کے بنو فاطمہ ہیں، لیکن ان کی پہچان یہ ہے کہ اپنے زمانے کے جابر و حاکم

سلطان کے خلاف جہاد کرتے ہوں۔ بعض نے کہا محمد بن عبداللہ بن حسن، بعض نے کہا نفس زکیہ، بعض کے نزدیک یحییٰ بن عمر بن علی (مقتول بعہد مستعین عباسی) مہدی منتظر ہیں، اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی مرا نہیں ہے۔ محض غیبت اختیار کی ہے۔ جب دنیا میں ظلم و جور حد سے سوا ہو جائے گا، ان میں سے کوئی مہدی مظلوموں کی نجات کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا اور وہی اپنے زمانے کا قائم ہو گا۔

تقریباً ایک ڈیڑھ ابتدائی صدی تک، شیعوں کے لئے، بعض حوالوں میں الجارودیہ کا نام بھی استعمال ہوتا رہا۔ (ابوالحسن الاشعری : مقالات اسلامیین)

جناب زید کی شہادت کے بعد ان کی فکر کو بعض لوگوں نے نئی نئی شرحیں دے کر، نئے مطالب و نئے معانی اور نئی تاویلوں کے ساتھ آگے بڑھایا، ان میں یہ ابوالجارود بھی تھا۔ ابوالجارود نے، جناب زید کو پہلا غائب امام مانا۔ اس کے خیال میں وہ ایک نہ ایک دن یقیناً ظہور کریں گے۔ وہ آخری امام حق تھے، جس نے زندگی میں بھی ظلم کے خلاف جہاد کیا اور ظہور کے بعد بھی وہ ایسا ہی کریں گے۔ ان جارودیہ کے عقائد میں حضرت امام باقر نے ایسا نہ کر کے اچھا نہ کیا، چنانچہ اسی بنا پر ان لوگوں نے حضرت امام باقر سے علیحدگی اختیار کر لی، حالانکہ شروع شروع میں ابوالجارود ان کا نہایت معتقد اور ان کی احادیث بیان کرنے والا معتبر راوی رہا ہے۔ ابوالجارود کے یہ عقائد، زیدیہ میں اب محض برائے نام زندہ ہیں، بلکہ خود زیدیہ عقیدہ بھی الجارود سے سلمہ بن کہیل (کُ ہَ ئِ ل) تک گھٹتے

گھٹتے اب سیدھی سادی شیعیت رہ گیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ متقی' پاک باز' عالم اور صاحب کردار' ان ائمہ اہل بیت کے مقابل جو لوگ سامنے آ کر کھڑے ہوئے' وہ بھی ان ہی کے اعزہ و اقرباء تھے۔ ان میں بعض وہ تھے جنہوں نے بہ ظاہر لفظی طور پر دعوی امامت نہیں کیا' لیکن معنا یہی پتا چلتا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیت کے سماجی' سیاسی اور مذہبی نقطہ نظر کو درست نہیں سمجھتے تھے' اس لئے انہوں نے اپنے ذریعے اہل بیت کی متوازی قیادت کو فروغ دیا۔

حضرت امام حسین کی اولاد کے پاس اہل بیت کی امامت آئی تھی۔ اولاد حسن اس سے محروم رہی' ممکن ہے یہ محرومی بھی اس دعوت انقلاب اور تحریک قیادت کا سبب ہو جو محمد نفس زکیہ' عبداللہ محض اور ان کی اولاد نے قائم کی۔ غالبا اسی احساس نے جناب محمد ابن حنفیہ کے فرزند ابوہاشم کو بھی دعوی امامت پر آمادہ کیا۔ انہوں نے مغیرہ اور بیان جیسے طرار لوگوں کی مدد سے اپنی امامت کی سہم چلائی۔

نفسِ زکیہ، ابوہاشم، مغیرہ، بیان

(بحوالہ تفریق اولاد جناب حسن مجتبیٰ)

نفس زکیہ اور ابوہاشم کی امامت کا معاملہ :

کربلا کے واقعے میں خاندان بنوہاشم کے جو زندہ مرد بچے تھے' ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ ان میں سید سجاد حضرت علی ابن الحسین کے علاوہ کچھ کم سن بچے' حضرت محمد باقر' جناب عبداللہ ابن حسن' زید بن حسن اور حسن مثنیٰ' حسن بن حسن بھی تھے۔ حسن مثنیٰ شام غریباں تک مقتولوں میں شامل تھے۔ جب مقتول شہداء کے سر کاٹے جانے لگے تو حسن مثنیٰ میں ابھی رمق جان باقی تھی' بہت سی لاشوں میں انہیں دبا ہوا نکالا گیا۔ یزیدی فوج کے ایک سالار (ابو اسماء جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حسن مثنیٰ کے ماموں تھے) کی سفارش پر ان کا سر قلم نہیں کیا اور وہ زندہ بچ گئے۔ حسن مثنیٰ امام حسن کے فرزند تھے۔ شکل و صورت اور انداز واطوار میں اپنے باپ سے اس قدر مشابہ تھے کہ انہیں دوسرا حسن (حسن مثنیٰ : حسن کی نقل) کہا جانے لگا۔ کربلا کے خاک و خون اور لاشوں کے ہجوم میں پڑا جو نوجوان آخری سانسیں لے رہا تھا' جو موت کا ذائقہ تقریباً چکھ ہی چکا تھا اور قریب تھا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو جائے وہ قدرت خدا سے بچ گیا۔

واقعہ کربلا میں اولاد امام حسن سے زید' محمد' حسن مثنیٰ اور عبداللہ باقی بچے تھے۔ ان عبداللہ کا نام' انتقام خون حسین کی تحریک کے دو بڑے کرداروں' محمد اور ابراہیم سے وابستہ ہے او ریہ دونوں انہی عبداللہ کے فرزند تھے۔

۱۳۶ھ میں جب منصور عباسی نے محسوس کیا کہ عبداللہ' محمد اور ابراہیم خراسان کے شیعوں سے مدد لے کر بنو عباس کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں تب

اس نے ان باپ بیٹوں سے خائف ہو کر انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ خود ہاشمیوں ہی کے ایک فرد' حسن بن زید بن حسن نے خلیفہ کو اپنے چچا اور چچازادوں کے خطرناک ارادوں سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ وہ خاص طور پر محمد (ابراہیم کے بھائی عبداللہ کے بیٹے) سے خبردار رہے۔ یہ حسن بن زید' منصور کے بہت قریب تھے' بلکہ منصور کے پیش رو' ابوالعباس سفاح کے ندیم دربار بھی تھے۔ ان کی صاحبزادی سے ابوالعباس عباسی کا نکاح بھی ہوا۔ منصور نے انہیں مدینے کا والی بھی بنا دیا لیکن کچھ عرصے بعد ناراض ہو کر اس ولایت سے معزول کر دیا' جائیداد پر قبضہ کر لیا اور قید کر دیا۔ ۱۶۷ھ میں مکے کے قریب حاجر میں انتقال کیا اور وہیں مدفن ہے۔ خلیفہ نے اپنے محکمہ جاسوسی کے ایک افسر عقبہ بن سلم (عُ قْ + بَ ہْ = سَ لْ م) کو مامور کیا کہ وہ عبداللہ ابن حسن سے اس بغاوت کے حالات معلوم کرے۔ عقبہ نے کچھ جعلی خطوط اور قیمتی تحائف عبداللہ کے پاس کسی ذریعے سے بھجوائے اور ظاہر کیا کہ یہ خراسان کے شیعوں نے بھیجے ہیں۔ خطوط اور تحائف پہنچانے والے نے عبداللہ سے کہا کہ ان تحائف کی رسید لکھ دو یا کوئی پیغام ہو تو وہ بھی۔ عبداللہ نے خط لکھنا مناسب خیال نہ کیا مگر زبانی کہلا دیا کہ اہل خراساں فکر مند نہ ہوں' محمد اور ابراہیم بہت جلد انہیں انقلاب کی خوشخبری دیں گے۔ عقبہ نے جاسوسی کے ان طریقوں سے محمد اور ابراہیم کی تحریک انقلاب کے بارے میں جب مکمل معلومات کر لیں تب اس نے منصور کو ۱۴۴ھ میں' سفرحج کے موقع پر تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ منصور نے عبداللہ کو گرفتار کر کے عراق بھیج دیا جہاں انہیں زہر سے ہلاک کیا گیا۔ تاریخ اہل

بیت میں انہی عبداللہ کو عبداللہ محض بھی کہا جاتا ہے۔

منصور نے عبداللہ کو تو کسی نہ کسی طور قابو کر لیا لیکن وہ ان کے بیٹوں محمد اور ابرہیم پر قابو نہ پا سکا۔ محمد نے، جو نفس زکیہ کے لقب سے معروف ہیں، حجاز میں اپنی سرگرمیاں پہلے خفیہ، پھر علانیہ شروع کیں۔ یہ اور ان کے بھائی شروع ہی سے بنوامیہ کے خلاف زیر زمیں سرگرم عمل تھے، بلکہ خود منصور جو بعد میں ان کے خون کا پیاسا ہوا، ابتداء میں بنوامیہ کے خلاف ان کی سرگرمیوں میں شریک عمل رہ چکا تھا اور وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ علوی جوان بنوامیہ کے اس ظلم و بربریت کے خلاف جو انہوں نے حسین اور انصار حسین پر کی، کس قدر نالاں ہیں اور انہیں ہر قیمت پر حکومت سے بے دخل کر کے مسلمانوں کی مسند اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ یہی وہ خوف تھا جس کے سبب منصور، نفس زکیہ کا مخالف ہو گیا۔

نفس زکیہ :

محمد بن عبداللہ نفس زکیہ امیرالمومنین حضرت علی کے پڑپوتے تھے۔ یہ علوی جوانوں کی اس فکر کے نمائندہ ہیں جس کا واضح نقطہ نظر بنوامیہ کے خلاف اعلان جہاد کرنا اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد، ان سے انتقام لینا تھا۔ ان کی تحریک انقلاب سے متاثر ہو کر بنو عباس کے بعض لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ خاص طور پر ان بیعت کرنے والوں میں ابو جعفر منصور کا نام زیادہ نمایاں ہے جو بعد میں آل ابی طالب کا سخت دشمن ثابت ہوا۔ ابو جعفر نے

ابوالعباس سفاح کے بعد تخت حکومت ملنے پر، محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی تلاش میں اپنے جاسوسوں کو سرگرم کر دیا۔ یہ دونوں بھائی بنوامیہ کے زوال کے بعد ابوالعباس کو خلافت مل جانے پر بہت مایوس ہوئے۔ یہ مایوسی کچھ بے جا نہ تھی کیونکہ بنوامیہ کے خلاف ساری مہم علویوں نے چلائی، اپنی جانیں قربان کیں اور دربدر پھرے، اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ عباسیوں نے جب ان دونوں بھائیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنے انجام سے بھی ڈرے اور ادھر ادھر ہو گئے۔ عرب کے علاوہ سندھ اور ہند تک بھی اپنے حامیوں کی تلاش کرتے پھرے، بصرے اور عراق میں بھی رہے لیکن اپنا مرکز مدینے کے قرب رضوی (رض + وا) کی پہاڑیوں کو بنایا کہ یہ جگہ شیعان علی کا مسکن تھی۔ حسنی سادات میں انتقام کا یہ نظریہ بعد میں ماند پڑ گیا اور تاریخ میں محض جنگی دوست، نام کی حد تک رہ گئے۔ ان میں سے بیشتر کو خواہ تھوڑا عرصہ سہی، وقتاً فوقتاً اقتدار بھی حاصل ہوتا رہا، مگر یہ اس اقتدار کے استحکام کی کوششوں میں ہی مصروف رہے حتی کہ وہ ہاتھوں سے نکل گیا یا کہیں باقی بھی رہا تو ان کے بعد آنے والوں نے اس نظریے کو ایسی اہمیت نہ دی جیسی کہ ان کے اگلوں کے مد نظر تھی۔

نفس زکیہ میں اقتدار اور حکومت کی یہ خواہش، ان کی تربیت کا نتیجہ بھی تھی، جیسا کہ مورخ الواقدی نے لکھا ہے : نفس زکیہ کے والد، عبداللہ بن حسن نے شروع ہی سے اپنے بیٹے محمد نفس زکیہ (اور ابراہیم) کو حکمرانوں کی سی تربیت دی تھی۔ عبداللہ ابن حسن کی شدید آرزو تھی کہ ان کے یہ فرزند ہادی و مہدی بن کر زندہ رہیں، چنانچہ باپ نے اپنے بیٹے کو ہمیشہ

"المھدی" کہہ کر پکارا۔ یہ المہدی وہی "مہدی" تھا جس کے آنے کی خبر اور اصلاح امت کے فریضے کی انجام دہی کی اطلاع' احادیث و اخبار نبی میں دی جا چکی تھی۔ نفس زکیہ' ایک راست گو' پاک باز اور معاملہ فہم شخص تھے۔ ان کی نیکی' پاکیزگی اور خدا ترسی کے سبب ہی ان کا لقب نفس زکیہ قرار پایا لیکن انہوں نے امامت کا دعوی کبھی نہیں کیا اور نہ ایسا دعوی تاریخ میں ان کے حوالے سے معروف ہے' البتہ ان کا خیال یہ ضرور تھا کہ اقتدار حاصل کئے بغیر نہ اصلاح امت کی جا سکتی ہے اور نہ بنوامیہ کے ظلم و جور کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ بنوامیہ کو مسلمانوں کے اقتدار پر غاصب جانتے تھے' اس لئے جہاد بالسیف کے قائل تھے۔ امامت کے بارے میں ان کے ایسے خیالات ہرگز نہ تھے' جیسا کہ بعد میں ان کے انتہائی سرگرم نام لیواؤں نے اقتدار کی مہم جوئی میں عام کئے اور نہ انہیں ان خیالات کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے' جو ان کی دلیل امامت میں المغیرہ اور بیان نامی لوگوں نے ظاہر کئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ محمد نفس زکیہ جہاد بالسیف کے عقیدے پر سختی سے کاربند تھے اور وہ کسی طور بھی ظلم سے مفاہمت کے لئے آمادہ نہ ہو سکے۔ ابو جعفر منصور نے انہیں طرح طرح سے قابو کرنے کی کوشش کی لیکن یہ اس کے ہم نوا نہ بن سکے۔ اس نے آخر کار مجبور ہو کر اپنے والی مدینہ کو لکھا کہ محمد اور ابراہیم دونوں بھائیوں کے خلاف سخت کاروائی کرے۔ انہیں قید کر لے یا قتل کر دے۔ جب یہ حاکم' ایسا نہ کر پائے تو ان میں سے بعض کو بقول واقدی اس نے معطل بھی کر دیا۔ آخر کار ابو جعفر منصور نے از خود ایک لشکر عیسیٰ بن موسیٰ کی

سرکردگی میں محمد نفس زکیہ کے مقابلے کے لئے مدینے کی طرف روانہ کیا۔ دو ماہ تک یہ لشکر محمد نفس زکیہ کو زیر نہ کرپایا' بالآخر محمد مدینے سے باہر نکل آئے اور نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ۱۴ رمضان ۱۴۵ھ کے ایک معرکے میں' عیسی بن موسی کے لشکر کے ہاتھوں مارے گئے۔ محمد نفس زکیہ کے چھوٹے بھائی ابراہیم تھے۔ نہایت درجے کے شجاع' نیک طبیعت اور عالم باعمل تھے۔ جناب عبداللہ ابن حسن نے ان کی پرورش بھی شہزادوں کی طرح کی تھی۔ بالکل اس طریقے سے جیسے ایک شخص کو کسی یقینی منصب کے لئے تیار کیا جاتا ہو۔ باپ نے ان دونوں بیٹوں کے ذہن میں یہ بات شروع ہی سے راسخ کردی کہ انہیں بڑے ہو کر حکومت اور لشکر کی باگ ڈور سنبھالنا ہوگی۔ ابراہیم اپنے معاملات میں ہمیشہ نہایت محتاط رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریک کا مرکز بصرے کو قرار دیا۔ تاریخی واقعات کی روشنی میں وہ کوفیوں پر کامل اعتماد کے لئے تیار نہیں تھے' اسی لئے کوفہ انہوں نے ابو جعفر منصور کے لئے خالی کردیا۔ بصرے میں بیٹھ کر لاؤ لشکر جمع کیا اور بنوامیہ کے بچے کھچے علاقوں اور ابوالعباس سفاح کے بعض ایسے مفتوحہ صوبوں پر جو بنوعباس کی افواج سے زیادہ دور تھے' اھواز' فارس اور واسط پر بہ آسانی قبضہ کرلیا۔ ادھر جب مدینے میں نفس زکیہ کو شکست ہوئی' ابو جعفر نے عیسٰی کی سربراہی میں اپنے لشکر عراق کی طرف ابراہیم کی سرکوبی کے لئے بھیج دئے۔ ان دونوں لشکروں کا آمنا سامنا کوفے کے نزدیک ایک مقام باخمری (خ م + ر ی) پر ہوگیا۔ ۷۶۳ / ۱۴۵ھ کے اس معرکے میں بہت زخم کھائے' آنکھ میں تیر لگا اور جاں بر نہ ہو سکے۔ ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیجا گیا۔

کوئی پچاس برس عمر پائی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ محمد نفس زکیہ کی تحریک انقلاب کو مغیرہ اور بیان نامی لوگوں نے ایک نئے مذہبی رنگ میں رنگ دیا۔ یہ دونوں چونکہ حضرت امام محمد باقر کی امامت کے قائل نہ تھے' انہوں نے محمد نفس زکیہ کے نام کو اپنے سیاسی عقائد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا۔ گو کہ ظاہرا طور پر ان کی یہ تحریک' عقائد مذہب کے حوالے سے شروع ہوئی تھی' ان دونوں نے محمد نفس زکیہ کی امامت کے حق میں جو دلیلیں دیں اور جو نقطہ نظر اختیار کیا' وہ خود جناب محمد نفس زکیہ کا دعوی امامت کے سلسلے میں اپنا نقطہ نظر ہرگز نہ تھا۔

مغیرہ اور بیان :

کوفے کے یہ معروف شیعہ اشراف تھے۔ نو بختی نے اپنی کتاب "فرق الشیعہ" میں ان دونوں کا حال لکھا ہے۔ بیان کا تعلق خاندان تمیم (ت م ی + م) سے تھا' کوفے کے بازار میں بھوسے کی تجارت کرتا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت کے داعی تھے۔ بعد میں اس نے جناب محمد ابن حنفیہ کے بیٹے ابوہاشم کی امامت کے اعلان میں بھی سرگرمی دکھائی اور حضرت امام محمد باقر کی امامت سے انکار کر دیا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا ایک ایسا نور ہے جس کا چہرہ مجسم اور مصور ہے۔ یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (سورہ الرحمٰن) یبقی وجہ ربک سے بعض علماء نے ذات باری تعالیٰ' مراد لی ہے۔ کل شئ ھالک الا وجھہ (سورہ القصص) میں بعض علماء نے

وجہ کے معنی ذات باری لئے ہیں' یعنی خدا ایک شی' (ذات) ہے۔ امام محمد باقر کی وفات پر' المغیرہ بن سعید نے بھی' جناب جعفر صادق کی امامت کو تسلیم نہیں کیا۔ مغیرہ بھی ایک کوفی النسل شیعہ ہے۔ نہایت زیرک' مستعد اور ہوشیار شخص تھا۔ اہل بیت میں امامت کے مسئلے پر جو ابتدائی نزاع ہیں' ان میں اس کا نام اور اس کی سرگرمیوں کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ اموی خلیفہ ہشام کے دور حکومت میں اس نے محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) کے لئے بھی امامت کی مہم چلائی۔ یہ مہم فی الاصل حضرت امام باقر کی امامت کے خلاف تھی' جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت کے لئے ایسی نہ تھی کیونکہ یہ دونوں اپنے سیاسی تدبر کی بنا پر سمجھ رہے تھے کہ بنوامیہ کو زوال آنے والا ہے اس لئے ان کے آئندہ اقتدار کی راہ اس طرح ہموار ہو سکتی ہے۔ اس طرح مغیرہ اور بیان' دونوں منصوبہ ساز' شیعان علی کے حق میں بنو امیہ کے اقتدار کے خلاف محمد ابن حنفیہ کی امامت کے داعی بن کر شیعان علی کو (جو مخصوص ان عقائد کے پیروکار تھے) بغاوت کے لئے اکٹھا کرنے لگے۔ خالد القسری (ق س + ری) نے ان دونوں کو' ہشام کے حکم سے زندہ جلا دیا' ان کی اس طرح موت کا سبب شاید یہی فتنے کا سبب بھی تھا جو ان دونوں کے عقائد سے امت میں پیدا ہو رہا تھا۔ وہ عقائد یہ تھے :

۱۔ خدا کا چہرہ موجود ہے۔

۲۔ موت کے بعد' بعض بزرگ اور ائمہ اس دنیا میں بازگشت (اواگون کے مثل) کرتے ہیں۔

۳۔ اسم اعظم سے وہ آگاہ ہیں۔

یہ فرقہ بنانیہ' بیانیہ یا سمعانیہ کہلاتا تھا۔ بنان بعض مورخین کے نزدیک بیان کا نام ہے۔ یہ دونوں امام محمد باقر کی وفات کے بعد ابوہاشم ابن محمد حنفیہ کی امامت کے داعی بھی بن گئے۔

ابو ہاشم : پورا نام عبداللہ بن محمد تھا۔ انہوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد دعوی امامت کر دیا' کیسانیہ کے عقائد کی رہبری کی' لیکن کچھ زیادہ دیر نہ جی سکے۔ کہتے ہیں ان کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے خائف ہو کر سلیمان بن عبدالملک نے زہر دلوا دیا۔ اپنی وفات بمقام حمیمہ (ح م ی + م ہ) سے قبل (بقول بعض) اپنی امامت بنو عباس کو تفویض کر دی۔ ممکن ہے یہ بات درست بھی ہو کہ ان کی وفات کے فورا بعد شیعان علی' بنو عباس کے علی الاعلان ہم نوا ہو گئے۔ خصوصا کوفے کے شیعوں نے بنوامیہ کے خلاف بنو عباس کی طرفداری بغض معاویہ کے مصداق کی۔

ابوہاشم کی وفات کے بعد امامت کے جن دعویداروں نے سر اٹھایا' ان میں ایک نام عبداللہ بن عمر کندی اور دوسرا اہم نام عبداللہ بن معاویہ کا ہے۔

عبداللہ بن معاویہ :

حضرت جعفر بن عقیل کے پڑپوتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق کے زمانے میں انہوں نے ابوہاشم کے بعد دعوی امامت کیا۔ ۷۴۴ء / ۱۲۷ھ میں اس نوجوان نے بنوامیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا ۔ یہ زمانہ زیدیہ عقائد

کے فروغ کا تھا' جس کی رو سے امام وہ شخص ہوگا جو ظلم' استبداد اور جبر و قہرمانی کے خلاف تلوار اٹھاتا ہو۔ ابوہاشم اور ان کے داعی عبداللہ ابن معاویہ نے بھی اسی فکر سے فائدہ اٹھایا اور اپنے کثیر لشکر کے ساتھ کوفے کے اموی حاکم عبداللہ ابن عمر بن عبدالعزیز کے خلاف بغاوت کر دی۔ شکست کھائی۔ ایران اصطخر (اَصْ طَ خْ رْ) کی طرف نکل کر حکومت قائم کرلی اور آخرکار بنوعباس کے عہد (۱۲۹ھ) خراسان کے ایک معرکے میں مارے گئے۔

ان کے پیرو کاروں کو جناحیہ (ج ن ا + ح ی + ی ہ) بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اولاد میں جناب جعفر طیار (ذوالجناحین) کے تھے اس لئے انہیں یہ نام دیا گیا۔ عبداللہ ابن معاویہ کا دعویٰ یہ تھا کہ ابوہاشم بن محمد حنفیہ نے امامت بنو عباس کے حوالے (جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے) نہیں کی' بلکہ یہ امامت ابوہاشم نے عبداللہ بن معاویہ کے سپرد کی' حالانکہ وہ وقت وفات ابوہاشم' ابھی بہت بچے تھے' خود عبداللہ بن معاویہ کے خیالات کا ایسا ہونا ثابت نہیں مگر ان کے پیرو اسحاق بن زید الحارث وغیرہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ امام کی ذات میں نور خدا کی موجودگی اور حلول کے قائل تھے۔ (طبری' جلد ۲۔ ۱۹۷۶ء مصر)' نوبختی فرق

ان کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ یہ مرے نہیں۔ اصفہان کے پہاڑوں میں ہیں اور کسی علوی کو۔حکومت دلانے کے لئے مناسب وقت پر ظہور کریں گے۔ ان کے معتقدین نے اسحاق بن الحارث کو ان کے بعد امام تسلیم کیا اور کہا گیا کہ عبداللہ کی روح ان میں حلول کر گئی ہے۔

اس دور کے مغیرہ اور بیان نے سطحی استدلال اور کمزور منطق سے

عامہ الناس کو گمراہ کیا۔ آیات و احادیث سے نکتہ طرازیاں کی گئیں، علم کلام، بیان اور معانی کے سہارے ایسے نتائج نکالے گئے جن کا فی الاصل مسلمات دین سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس زمانے میں جہاں مباحث علمی و عقلی کے ذریعے طرح طرح کی موشگافیاں کی گئیں، وہاں انہی مباحث کے نتیجے میں عقائد اور مذہبی رجحانات کی نئی نئی تشریحات بھی سامنے آئیں۔ احادیث و اخبار مذہب کی تصریحات اپنے اپنے اعتبار سے کی گئیں۔ ممکن ہے ایسی رائیں فی الحقیقت خالصتاً علمی ہوں، مگر ان کے واضح اثرات ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سارے مباحث، آگے چل کر مذہب اور عقیدے میں بعض خاص افراد کا مفاد ثابت ہوئے۔ خاص طور پر دوسری صدی ہجری کا زمانہ ان اختلافات کا مظہر ہے۔ انہی اختلافات کے سبب حضرت جعفر صادق کی اولاد میں، خود ان کی امامت اور ان کے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کا مسئلہ نزاعی صورت اختیار کر گیا جس کا ذکر آئندہ کے صفحات میں کیا جاتا ہے۔

اسمٰعیلیہ۔ بوہرہ۔ نزاری مستعلی۔ قرامطہ۔ بہائیہ

(بحوالہ اولاد حضرت جعفر صادق)

شیعیت کے اندر فرقوں کا وجود' شہادت حسین کے بعد نظر آتا ہے۔ نص (خبر) امامت سے اختلاف اور عقیدہ مہدی کو ان کی تقسیم کا سبب بتلایا جاتا ہے' لیکن کیسانیہ' جارودیہ' مختاریہ' واقفیہ' عسکریہ' ہشویہ (حشویہ) فطحیہ' بتانیہ' سمعانیہ' سالمیہ وغیرہ ایسے فرقے تھے جو زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے اور اپنے اپنے زمانوں کے فوری بعد ہی ختم ہو کر رہ گئے۔ البتہ اسمعیلیہ' زیدیہ ایسے فرقے تھے جو اثنا عشریہ کے شانہ بشانہ اب تک قائم چلے آتے ہیں۔

"شیعیت کے اندر فرقوں کا وجود شہادت حسین کے بعد نظر آتا ہے۔" اس جملے سے یہ خیال اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ شہادت حسین سے قبل' شیعیت بطور مذہب موجود تھی۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ شہادت حسین سے بھی بہت آگے' ائمہ اثنا عشر کی بارہویں مسند (تیسری صدی ہجری کے ابتدائی عشروں) تک شیعہ یا سنی کا بطور مذہب کوئی وجود نہ تھا' البتہ یہ بات یقینی ہے کہ بعض اسلامی احکام اور دین کی بعض توجیہات میں اہل بیت کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ خلافت اول سے حضرت علی کے فقہی اختلافات بہت نمایاں ہیں۔ سقیفہ کے انتخابی معرکے میں شرکت نہ کرنا' فدک کے قضیے میں میراث پیغمبر کا مقدمہ لڑنا' چوتھی خلافت کی پیشکش کے موقع پر شیخین کی پیروی کو لازم نہ سمجھنا' خلافت اول' دوم' سوم کے بعض اقدامات کو یکسر غلط جاننا۔ ان جیسے بہت سے معاملات میں حضرت امیرالمومنین علی کا انداز نظر انہیں اپنے زمانے کے مروج احکامات سے مختلف الخیال بتلاتا ہے۔ پھر جناب امیر کے بعد حضرت امام حسین کا بیعت سے یکسر انکار کرنا' جناب امام زین العابدین کا حکومت وقت کے ساتھ عملی شرکت نہ

کرنا اور اس کا مئوید نہ ہونا' علی ہذا القیاس' حضرت امام جعفر صادق تک ایسے ہی واقعات کا قائم رہنا' سب باتیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اہل بیت کا نقطہ نظر دینی اور دنیوی امور کے بارے میں سواد اعظم سے مختلف رہا۔ چنانچہ بعد کے مورخین نے اہل بیت کے اسی طرز عمل کو شیعیت سے تعبیر کیا اور یہی وہ حوالہ ہے جو راقم السطور نے شہادت حسین کے بعد شیعیت میں گروہی تقسیم کی صطلاح میں یہاں استعمال کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق کا زمانہ (دوسری صدی ہجری) معارف اسلامی کی تعلیم و تدریس کے لئے نہایت موزوں تھا۔ اس زمانے بں مدینے کے دارالحکمت میں متکلمین اور محدثین کا اجتماع ہے۔ یہی دور جناب ابو حنیفہ کے علمی مباحث کا ہے۔ یہ زمانہ دوسری صدی ہجری کا وسط ہے۔ اس زمانے میں فقہی اختلافات کھل کر نمایاں ہوئے' لیکن باقاعدہ الگ مسلے کی صورت نہ تھی۔ جب ان نظریات کو کچھ زمانہ گزر گیا اور یہ اہل علم میں راسخ ہو گئے تب ان کی تدوین کا مرحلہ آیا۔ شیعیت میں بھی سلسلہ امامت ختم ہو چکا تھا۔ جب تک ائمہ تھے' اسلامی احکامات پر اپنی رائے کے مطابق عمل پیرا رہے۔ جب سلسلہ امامت ختم ہوا' علماء کے ہاتھ میں مذہب جمہور کی باگ ڈور آئی تب ضرورت عامہ کے لئے احکامات مدون کئے گئے۔ مسائل شرعی کے باب میں وہ توضیحات باضابطہ لکھ دی گئیں' جو ائمہ اہل بیت نے اپنے اپنے زمانوں میں بیان کی تھیں۔ اس طرح شیخ محمد یعقوب کلینی (تیسری صدی ہجری) اور شیخ صدوق (چوتھی صدی ہجری) کا زمانہ آ پہنچا' اور اسلامی احکامات کی وہ تشریحات مدون کر دی گئیں جن پر آج شیعیت کی بنیاد قائم ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی سے لے

کر امام حسن اور حسین تک شیعیت میں امامت پر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ واقعہ کربلا کے بعد ان اختلافات کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام جناب محمد ابن حنفیہ کا ہے جو حضرت علی کے بیٹے (بطن خولہ سے) تھے۔ اس دعوی کی ایک ہلکی سی چمک جناب عمر ابن علی (عمر اطرف) کے رویے سے بھی تی ہے۔ جناب عمر حضرت علی کے بیٹے (بطن ام حبیبہ سے) تھے۔ یہی اندازہ ناب زید کے رویے سے ہوتا ہے۔ وہ بیٹے تھے حضرت زین العابدین کے' بھائی تھے امام باقر کے' بطن سے تھے ایک سندھی النسل خاتون کے۔ یہی صورت اولاد امام حسن کی ملتی ہے۔ جناب نفس زکیہ (محمد) عبداللہ ابن حسن نے بھی امام وقت کے منشاء سے بالکل مختلف ایک ایسا رویہ اختیار کیا جو اہل بیت کی متبادل قیادت کا واضح اشارہ کرتا ہے۔

ان واقعات کے پس منظر میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے ذہن میں امامت کا وہ تصور نہ تھا جیسا کہ آج ہے۔ نصوص ان پر روشن نہ تھیں یا ان کے خیال میں' امامت محض قیادت کا معاملہ تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے خیال میں دعوی قیادت کیا۔ یہ بات اس اعتبار سے اور بھی قابل غور ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ائمہ کا' امام حسین تک' ایک ہی فقہی مکتب ہے' کسی کی کوئی الگ فقہ نہیں' لہٰذا اختلاف کرنے والوں کے خیال میں یہ منصب قیادت اہل بیت سے متعلق تھا۔

حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق کے بعد شیعیت کو ایک نئے مسئلے کا سامنا تھا۔ اس سے پہلے ایسی صورت واقعات نہ تھی کہ ایک ہی امام کے

تین بیٹوں میں امامت کے مسئلے پر اختلاف ہو جائے اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی امام نے اپنی زندگی میں جس بیٹے کو (اپنے بعد کے لئے) امام مقرر کیا ہو وہ اس (باپ) کی زندگی ہی میں وفات پا جائے لیکن اسماعیل بن جعفر کے واقعات میں ایسا ہی ہوا۔ حضرت جعفر صادق کی دس اولادیں تھیں (بہ روایت شیخ مفید) اور یہ سات بیٹے تھے :

اسمٰعیل، عبداللہ، موسیٰ، اسحاق، محمد، عباس، علی

ان میں سے تین کے بارے میں امامت کا اختلاف ہوا، وہ یہ ہیں :

اسمٰعیل، عبداللہ افطح، موسیٰ۔

اسمٰعیل کے ماننے والے اسمعیلیہ، عبداللہ کے پیروکار فطحیہ اور حضرت موسیٰ کے، اثنا عشریہ کہلائے۔ ان کے علاوہ اسمعیلیہ کی دوسری شاخیں بوہرہ مستعلی، نزری، قرامطہ، باطنیہ وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور شاخ واقفیہ (واقفہ) کی ہے جن کے خیال میں امامت حضرت جعفر صادق اور حضرت موسیٰ کاظم پر ختم ہوئی۔

اسمعیلیہ :

امام جعفر صادق کے فرزندوں میں جناب اسمٰعیل سب سے بڑے تھے۔ اس کے بعد عبداللہ افطح اور پھر حضرت موسیٰ کاظم۔ اسمٰعیل جو سب سے بڑے تھے، اپنے باپ کے بہت چہیتے تھے۔ اپنی نیک طبیعت، صبر و استقامت اور تقوے کے سبب اپنے باپ کے معتمد بھی تھے اور محبوب بھی۔ امام کی اپنے اس بیٹے سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے بمقام عریض (ع ۔ ری ض) وفات پائی

تو لوگ انہیں اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لائے (یعنی میت کے لانے میں کوئی سواری استعمال نہیں کی) جب انہیں بقیع کے قبرستان میں دفن کیا جانے لگا تو حضرت جعفر صادق اس قدر مضطرب ہوئے کہ تابوت کو پھر کھولا اور پھر دیکھا' اس بیٹے کے دفن سے پہلے امام نے اضطراب کی حالت میں' بیٹے کو چہرے سے کفن ہٹا کر بار بار دیکھا اور مسلسل گریہ کرتے رہے۔ بعض لوگوں نے امام کی اس کیفیت کے تجزیے میں یہ کہا ہے کہ امام نے ایسا اس لئے کیا کہ لوگ اچھی طرح جان لیں کہ جناب اسمٰعیل نے وفات پائی اور وہ غیبت میں نہیں گئے جیسا کہ امام کو خیال تھا کہ کچھ لوگ ایسا کریں گے اور ایسا ہوا بھی۔ جناب اسمٰعیل کی وفات کے بعد ایک طبقے نے کہا کہ وہ غائب امام ہیں اور امامت فی الاصل حضرت جعفر صادق پر ختم ہوگئی۔ جناب اسمٰعیل کے واقعات دفن میں حضرت جعفر صادق کی اس کیفیت کا یہ ایک تجزیہ تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے بعینہ حقیقت ہونے میں کچھ دلیلیں ایسی محکم نہیں۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ اس دور میں یہ رواج عام تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا تو اس کی موت کی تصدیق گواہوں سے کی جاتی۔ بادشاہ' امراء اور بشمول ائمہ اہل بیت سب کے واقعات میں ایسا ہی بارہا ہوتا رہا۔ جو شخص جس قدر اہمیت رکھتا' اسی قدر اس کی موت کی تصدیق کے لئے شہادتیں جمع کی جاتیں اور اعلان کیا جاتا' پھر یہ بھی کہ جناب اسمٰعیل سے حضرت جعفر صادق کو بے انتہا پیار تھا' ایسے پیارے بیٹے کی موت پر باپ کا یہ اضطراب قطع نظر کسی مصلحت کے انسانی محبت کا عین تقاضا تھا۔ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تجزیہ کیا گیا کہ آنے والے واقعات اور آئندہ کے معاملات کو علم امامت کے

ذریعے جان کر حضرت نے جناب اسمٰعیل کی موت کو واضح کیا تاکہ لوگ یہ کہہ نہ کسیں کہ وہ (اسمٰعیل) مرے نہیں، تب علم امامت پر حرف آتا ہے کیونکہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ بعض لوگوں نے انہیں "غائب" ہی تسلیم کیا اور ان کی موت کو نہیں مانا۔ گویا دفن اسمٰعیل کے موقع پر امام کے اضطراب کی یہ مبینہ مصلحت اپنی غایت پوری نہیں کر سکی۔ اس واقعے کے سلسلے میں ایک اور توجیہ یہ بیان کی گئی کہ حضرت جعفر صادق نے اسمٰعیل کی موت کے واقعے کو منصور دو انقی کے ظلم سے بچانے کے لئے شہرت دی حالانکہ فی الاصل اسمٰعیل مرے نہیں، غیبت صغری میں چلے گئے۔

بہرحال یہ بات ثابت ہے کہ حضرت جعفر صادق کو اپنے بیٹے اسمٰعیل سے بہت محبت تھی اور اسی اعتماد اور اہلیت کی بنا پر انہیں اپنا نائب مقرر کیا تھا مگر جناب اسمٰعیل کی زندگی نے وفا نہ کی اور اپنے باپ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ اسمٰعیل کی امامت کے مسئلے نے شیعیت کو بہت سے خانوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں کچھ نے کہا امامت حضرت جعفر کے بعد، اسمٰعیل کو جاتی ہے، بعض نے کہا کہ اسمٰعیل کے بعد ان کے بیٹے محمد کو یہ امامت جاتی ہے۔ بعض نے کہا امامت جناب اسمٰعیل پر ختم ہو گئی۔ وہ غائب امام ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا امامت حضرت جعفر صادق پر ہی ختم ہوئی، گویا انہوں نے چھ (۶) اماموں پر وقف کیا، یہ لوگ شش امامیہ کہلائے۔ ان میں سے بعض کے نزدیک اسمٰعیل ساتویں امام ہیں، اس لئے ان کا نام سبعیہ بھی ہے۔ انہی کی شاخیں قرامطہ، دروزیہ، باطنیہ کہلاتی ہیں۔ وسط ایشیا میں انہیں مولائی کا نام بھی دیا گیا۔ اسمعیلیہ فرقے میں

بس قدر شاخیں قائم ہوئیں' عہد بہ عہد عقائد میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایسا کسی اور مسلک میں نہیں' نہ صرف یہ کہ ان کے ہاں کوئی ایک واضح عقیدے کا سراغ نہیں ملتا بلکہ ان کی مذہبی تشریحات میں الجھاؤ' تضاد اور پراسراریت بھی موجود ہے۔ پہلے مورخین نے جو کچھ کہا ہے آج کے شارحین اس کے بالکل خلاف کہتے ہیں شاید خیالات کی بے ترتیبی اور واضح اصول و عقائد کی کسی واضح لکیر کا نہ ملنا' ان کے ہاں مصلحتاً ہو۔

اسمعیلیہ فکر کی تین اہم اور بنیادی کتابیں قاضی نعمان (۳۶۳ھ) کی دعائم الاسلام' مئوید الشیرازی کی اسرار باطنیہ (۵۷۰ھ) اور حمید الدین کرمانی (۴۱۲ھ) کی "راحۃ العقل" ہے۔ ان کتابوں سے اسمعیلیہ عقائد کے بنیادی اصول یہ معلوم ہوتے ہیں :

جو شخص امام عصر کو پہچانے بغیر مرجائے گویا وہ حالت کفر میں مرا۔

عبادت العلمیہ کے بغیر تکمیل فرائض نہیں ہو سکتی۔ عبادت العلمیہ یہ ہے کہ دین کی اس طرح تعمیل کی جائے جس کی طرف ائمہ نے توجہ دلائی ہے۔

ان کے خیال میں زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو اسمعیلیہ کو اثنا عشریہ کے قریب کر دیتا ہے' کیونکہ اثنا عشری شیعیت کا ایک لازم عقیدہ یہ ہے کہ زمین حجت خدا سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ وہ اپنے غائب امام (مہدی) کو بھی حاضر امام مانتے ہیں۔ انہیں سلام پیش کرتے ہیں' ان کی خدمت میں عریضہ لکھتے ہیں اور انہیں القائم (موجود) مانتے ہیں۔ اثنا

عشریہ کے اس عقیدے جیسا عقیدہ اسمعیلیوں کے ہاں بھی ملتا ہے لیکن وہ فی الاصل حاضر امام کو مانتے ہیں' ان کے نزدیک ایک حجت ناطق (نبی) ہے اور دوسری حجت صامت۔ حجت صامت ولی اور امام ہے۔ قرآن مجید کے ہر حکم کے دو معانی ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن۔ معانی باطن کو صرف ولی عصر اور حجت صامت ہی سمجھ سکتا ہے۔ (اسی اعتبار سے ان کا نام باطنیہ بھی ہے) حجت صامت ہی حجت ناطق (نبی) کے احکامات پر عمل درآمد کرواتا ہے' وہ حجت ناطق کا کامل نگراں اور مختار ہوتا ہے۔ ان کے ہاں سات کے عدد کی بڑی اہمیت ہے' کیونکہ خداوند عالم نے اس عدد میں کوئی بڑی حکمت پوشیدہ رکھی ہے۔ انہی معنوں میں یہ سبعیہ بھی ہیں۔ آسماں بھی سات ہیں' سات دنوں میں کائنات خلق ہوئی' مصر میں فاطمی خلفاء بھی سات ہوئے' جن کا اول عبداللہ مہدی اور آخر المستنصر ہے۔ ان کے عقیدے میں امام مشیت الٰہی کا مظہر ہے..... نور امامت مشیت الٰہی کا رکن اول (یعنی حرف کن اور امر) ہے' اس کی معرفت کے بغیر خدا کو پہچانا نہیں جا سکتا۔ امام سب ہم رتبہ ہیں اول و آخر' اوسط' کل کے کل' ایک جیسے ہیں۔ ان سب تشریحات کے باوجود' ان کے ہاں ہر عہد کی قیادت نے دین کی جو مختلف توجیہات کی ہیں وہ ہمیں اس مقام پر لے آتی ہیں جہاں اسمعیلیہ عقائد کی کوئی واضح تعریف نہیں کی جا سکتی۔

احمد بن قرمط (۲۷۶ھ) نے قرامطہ فکر کو جنم دیا۔ اس نے کہا کہ محمد بن اسمٰعیل القائم بن کر ظہور کریں گے۔ قرمط کے بعد الحاکم نے دروزیہ فرقے کی بنیاد ڈالی جس کے خیال میں الحاکم مرا نہیں وہ قائم بن کر ظہور کرے گا۔ اس

سے قبل اسمعیلیہ کا یہ عقیدہ نہ تھا۔ پھر دروزیہ' باطنیہ' نزری' داؤدی بوہرہ' سلیمانی' مستعلی اور پھر ان کے شاخ در شاخ سلسلوں کی الگ الگ فکر مذہب ہے۔ یہ اختلافات' اسمعیلی حکمران مستنصر باللہ کی وفات (۴۸۷ھ) کے بعد اور بڑھ گئے جب اس کے بڑے بیٹے نزار کو محروم کرکے' نزار کے بھائی مستعلی کو اقتدار دے دیا گیا۔ نزار اور اس کا بیٹا قتل کر دئے گئے۔ اسمعیلیوں کے بعض لوگوں نے اس واقعے پر رد عمل کے طور پر محسوس کیا کہ یہ سلسلہ جو قتل و غارت کا ذریعہ ہے' راہ ہدایت نہیں ہو سکتا' اس لئے یہ لوگ امامت کی نص اول اسمٰعیل بن جعفر کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے کہ امامت کا ان پر وقف ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے واضح گروہ ہو گئے۔ ان میں سے کچھ مصر کی فاطمی حکومت سے الگ ہو کر الموت (اَلَ + مُ وْت) کی طرف' کچھ یمن اور کچھ ہند کی طرف نکل آئے۔ اسمعیلیہ کے دو بڑے گروہ اس وقت موجود ہیں :

نزاری اور مستعلی۔ نزاری (ن ز ا + ر ی) جو اب اسماعیلی کہلاتے ہیں)

فاطمی خلیفہ مستنصر کی وفات (۴۸۷ھ) پر اس کا بیٹا مستعلی برسر اقتدار آگیا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی نزاری کو اس کے بیٹے الہادی سمیت قتل کروا دیا۔ نزاری کے پوتے المہدی کو حسن بن صباح نے الموت (اَلَ + مُ وْتُ) کے قلعے میں پناہ دی اور وہاں اس کے اقتدار کو قائم کیا۔ بہت سے اسمعیلی' مہدی کے ہمدرد ہو گئے۔ ارد گرد کے علاقوں پر اپنے داعیوں کے ذریعے اس نے اپنی امامت کی تبلیغ شروع کر دی۔ ۵۵۹ھ کے قریب قاہر باللہ (بعض نے اس کا

نام حسن بتایا ہے) نے دعوی امامت کیا اور باطنی عبادات کو اہمیت دی۔ ظاہری عبادت کو کم کیا کیونکہ یہ لوگ الموت کو جنت قرار دیتے تھے اور جنت میں ظاہری عبادات کا تصور نہیں ہے۔ قاہر کے بعد رکن الدہر خورشاہ' مومن شاہ' اسلام شاہ' بوذر علی' قاسم علی اور حسن علی یکے بعد دیگرے امام ہوئے۔ حسن علی شاہ کے جانشین علی شاہ نے (۱۳۰۳ھ) بمبئی ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ اس کا فرزند سلطان محمد شاہ ہوا۔ ۱۹۵۷ء میں وفات پائی۔ سلطان محمد شاہ کے بعد ان کے پوتے کریم خاں وغیرہ امامت پر فائز ہوئے۔ ہندوستان کی نزاری اسمعیلیہ جماعت میں زیادہ تر وہ لوگ داخل ہیں جو ہندو سے مسلمان ہوئے۔ اس لئے ان کے رسوم و رواج' اندازواطوار پر ہندوستان کی ہندو تہذیب کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی زیادہ تر مذہبی کتابیں گجراتی' کاٹھیاواڑی اور سندھی زبان میں ملتی ہیں۔

اسمعیلی نزری عقائد کا مرکزی نکتہ' امام وقت کی معرفت اور اطاعت ہے۔ چنانچہ اپنے اموال و منافع سے ایک مقرر رقم امام کے حکم کے مطابق باقاعدگی سے نکالتے اور امام کے احکامات پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔

مستعلین (مستعلی) (آج کل بوہرہ داؤدی' بشش امامی کہلاتے ہیں) مستعلین کے پاس اسمعیلی اقتدار کی چابی' ساتویں صدی ہجری تک رہی۔ پھر یہ یمن' ہند' شام' افریقہ' ایران اور دیگر ممالک شرق میں پھیل گئے۔ داؤد بن عجب شاہ' ان کا چھبیسواں داعی (متوفی ۹۹۹ھ) ہندوستان آیا اور اس نے احمد آباد گجرات میں اپنا مرکز تبلیغ قائم کیا۔ اس کی وفات کے بعد مستعلین میں بھی اختلاف ہو گیا' جنہوں نے داؤد بن قطب شاہ کی امامت مانی وہ داؤدی بوہرہ کہلائے' اور اسے ۲۷واں

داعی تسلیم کیا۔ بعض نے جو یہاں یمن سے آنے والے مستعلی تھے' سلیمان بن حسن کو اپنا امام بنالیا اور سلیمانیہ بوہرہ کہلائے' تاہم ان کے درمیان کوئی زیادہ اختلافات نہیں۔ داؤدی بوہرہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ان کے عقائد کی اصل بھی معرفت امام ہے۔ اسلام' قرآن اور نبی آخرالزماں پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اصولی عقائد تقریباً وہی ہیں جو اثنا عشری شیعوں کے ہیں' اس لئے ان کا شمار' شیعہ فرقوں ہی میں کیا جاتا ہے۔ عام شیعوں سے امتیازی فرق صرف اتنا ہے کہ یہ حضرت امام جعفر صادق تک ائمہ کی اس لڑی کو مانتے ہیں' جو اثنا عشری تسلسل امامت میں آتی ہے' البتہ ان کے بعد حضرت موسیٰ کاظم کو امام تسلیم نہیں کرتے اور ہر زمانے میں زندہ ہادی کے قائل ہیں۔ جسے وہ اپنا دینی پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں آج کل یہ منصب سیدنا برہان الدین صاحب کو حاصل ہے جن کی اطاعت و معرفت جماعت کے ہر فرد پر واجب سمجھی جاتی ہے۔ پیشوا کا ہر حکم واجب الطاعت ہے۔ ان کے ہاں یہ عقیدہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ نور امامت تسلیم کئے بغیر بخشش ممکن ہیں۔ قیادت دینی بعض ذیلی عہدوں میں تقسیم ہے :
داعی' ماذون' حجتہ' مستجیب اور ملا۔ مختلف کاموں کے لئے مقرر منصب ہیں۔

نزری اور مستعلی' اسمعیلیہ کے دو بڑے گروہوں کے علاوہ اسمعیلی دعوت اور "باطنیہ" قیادت کے دعوے دار ابو مسلم خراسانی' ابن مقنع' احمد قرمط اور حسن بن صباح بھی تھے۔ ہرچند کہ ان کی تحریکیں سیاسی تھیں اور ان کا ہدف

اقتدار حکومت تھا لیکن ان سب نے اپنی تحریکوں کی بنیاد نئے مذہبی عقائد پر رکھی تھی، چونکہ ان سب کا تعلق باطنیہ عقائد سے تھا اس لئے مذہب کے احکامات کی نئی نئی تاویلوں سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

اسمعیلیہ کے ان تمام طبقوں کی تبلیغی جدوجہد میں ایک نمایاں بات یہ تھی کہ اہل بیت کی متوازی امامت کے مقابل، اپنی روحانی قوت کو زیادہ سے زیادہ شہرت دی جائے۔ چنانچہ یہ لوگ نئے نئے مذہبی دعووں اور نجات اخروی کے وعدوں سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اولاد اسمٰعیل (بن جعفر صادق) میں امامت کے تعین کا یہ معاملہ مذہبی اقتدار کی کشمکش بن گیا۔ ان کے درمیان اس قدر کھینچا تانی ہوئی کہ اولاد جعفر سے زیادہ دوسرے لوگ اس میدان میں کود پڑے۔

ابو مسلم اور ابن مقنع :

ابو مسلم خراسانی بھی اہل بیت کی طرفداری میں ان کا نقیب بن کر اٹھا لیکن عباسیوں کی زبردست طاقت کے مقابلے میں اس کا چراغ جل نہ سکا۔ ۱۴۲ ہجری کے قریب تر زمانے میں اس کا ایک پیروکار ابن مقنع ظاہر ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ ابو مسلم کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ اس کا بھی یہی دعوی تھا کہ وہ اہل بیت کا حامی ہے۔ ابن مقنع طبیعات (فزکس) اور کیمیا (کیمسٹری) کا ماہر تھا۔ لوگوں کو ان علوم کے زور پر خرق عادت باتیں دکھلاتا لہٰذا نادان لوگ اسے صاحب اعجاز سمجھ کر اس کے معتقد بن گئے۔ ائمہ اہل بیت نے ابن مقنع کی

خودساختہ حمایت کبھی قبول نہیں کی اور نہ بنوعباس کے خلاف ابومسلم کے احتجاج میں شرکت کی۔ ملوکیت کے خلاف مختلف طریقوں سے احتجاج ضرور کیا لیکن بعد شہادت حسین ان کے اس احتجاجی نقطہ نظر میں تبدیلی آئی۔ جن حالات پر ان کی نظر تھی، ان کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا جسے ان ائمہ اہل بیت نے اختیار کیا کہ یہ لوگ اپنی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے لئے وقف کردیں اور دین کے تشریحی پہلو جو ملوکیت کے غلبے کے سبب دبتے جا رہے تھے، زیادہ سے زیادہ روشن کئے جائیں۔ چنانچہ ان بزرگوں نے کسی بھی خونی انقلاب کی نہ دعوت دی نہ اس کی تائید کی، بلکہ ابومسلم نے جب اموی حکومت کے خلاف کامیاب انقلاب برپا کرلیا تو پہلے ہی مرحلے میں اس نے حضرت امام جعفر صادق کو حکومت سنبھالنے کی دعوت دی۔ امام نے جواباً فرمایا :

ما انت من رجالی ولا الزمان زمانی "نہ تم میرے آدمی ہو اور نہ یہ زمانہ میرے لئے سازگار ہے۔" (شہرستانی : الملل والنحل، جلد اول، ص ۱۵۴)

ابومسلم کی تحریک کو اور اس کے عقائد حلولیہ کو اہل بیت نے کبھی اپنا نہیں کہا اور یہی حال ابومسلم کے داعی ابن مقنع کا ہے۔

ابومسلم ابن مقنع کے عقائد اسمعیلی تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے عقائد میں انتشار، افراتفری اور بے عقلی کی باتوں کو خوب پھیلایا۔ ان میں سے اکثر نے دعوی امامت بھی کیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ سب کسی نہ کسی اعتبار سے اسمعیلیہ عقائد کے حامی تھے اور یہی لوگ باطنیہ اور قرامطہ کے نام سے بعد کی تاریخ میں یاد کئے گئے۔

قرامطہ :

۲۷۸ھ میں' جنوبی ایران کا ایک اسمعیلی باشندہ کوفے آیا۔ وہ نہایت درجے پاک باز' خدا ترس اور عالم تھا لیکن اس نے اپنا نام اور نسب کبھی ظاہر نہیں کیا۔ وہ دن رات عبادت کرتا اور روزے رکھتا۔ جو وقت مل جاتا محنت و مشقت کے ذریعے روزی کماتا۔ یہاں بہت سے لوگوں کو اس نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ کچھ برس قیام کیا اور پھر دمشق چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے یہاں بارہ نقیبوں کا انتخاب کیا۔ ان میں سے ایک احمد قرامطی تھا جس نے آگے چل کر فرقہ باطنیہ اور قرامطہ کی بنیاد ڈالی۔ اسکے عقائد میں نمایاں باتیں یہ تھیں :

۱۔ صرف دو نمازیں فجر اور مغرب فرض ہیں۔

۲۔ مباشرت اور جنابت کے بعد غسل کی ضرورت نہیں۔

۳۔ عقیدہ اسمعیلیہ (قرامطہ) نہ ماننے والے کے جان و مال کی کوئی حرمت نہیں۔

ان خیالات کا ایک اور زبردست مبلغ حسن بن صباح نامی قسمت آزما تھا۔

حسن بن صباح :

چھٹی صدی ہجری میں حسن بن صباح نامی ایک طالع آزما نے امامت اسمعیلیہ کا دعوی کیا۔ اسے مستعلی نے مصر سے نکال دیا' وہاں سے قزوین (ایران) آیا۔ الموت کے قلعے پر قابض ہوا۔ اردگرد کے علاقوں کو بھی فتح کر لیا۔

ایک جنت ارضی قائم کی۔ جزا و سزا کا تصور دیا۔ اس کو فرقہ حشیشین کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا جد اعلیٰ امامی شیعہ الصّباح الحمیَری (حِمْ + یَ رِی) کوفے کے باشندوں میں سے تھا۔ یہ خاندان' کہا جاتا ہے' بہت بعد میں ایران' قم میں آباد ہو گیا مگر تاریخ کامل میں' حسن بن صباح کو رازی (رَے کا باشندہ) لکھا گیا ہے۔ اسمعیلی تحریک کے ایک سرگرم داعی ابن عطّاش (۴۶۴ھ) نے اسے اپنا نائب مقرر کیا۔ المستنصر فاطمی کے بعد اس کے بیٹوں کی جانشینی کے قضیوں میں' یہ مستعلی کے مقابل' نزار کا حامی بن گیا اور اسمعیلیہ کی اس تحریک دعوت کا نمائندہ بن کر ۴۸۳ھ میں قلعہ الموت پر قابض ہو گیا۔ مستشرقین کے بقول اس نے اسمعیلیہ (نزاری) کے لئے جو منصوبہ بنایا' تمام بڑے لوگوں کو خفیہ طریقے سے ختم کردیا جائے۔ نظام الملک' حسن بن صباح اور عمر خیام' ہرچند کہ تینوں کا قبلہ نظر مختلف تھا' مگر باہم ان کے تعلقات دوستانہ حد تک مشہور ہیں۔ حیرت ہوتی ہے' اس زمرہ احباب کا' یہ ایک شخص تاریخ کا پر اسرار کردار کیوں کر بن گیا؟ حسن بن صباح کی اس منصوبہ بندی کا پہلا ہدف' نظام الملک کو بننا پڑا۔ ۴۸۵ھ کے اس اہم واقعے نے' اسمعیلیہ دعوت کے پاؤں مضبوطی سے جمادئے۔ اسمعیلی دعوت (نزاری) کے امام ابن عطاش کا اعتماد حاصل کرلیا۔ آخر کار سلجوقی حکمران' سلطان محمد نے اس کے قلعے پر حملہ کردیا لیکن عین محاصرہ الموت کے درمیان' سلطان کو ۵۱۱ھ میں موت نے آلیا۔ اب' حسن کے لئے میدان بالکل صاف تھا۔ آخر کار ۵۱۸ھ کے دوران اس اسمعیلیہ تحریک میں اس نے اپنی امارت کا باضابطہ اعلان کردیا اور اب اسے "سیدنا" ہمارے آقا' ہمارے رہبرو امام" کا لقب حاصل

ہو گیا۔ یہی وہ لقب ہے جو آج تک' نزاری (بوہرہ جماعت) کے امیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

حسن بن صباح کے بارے میں افسانوی طور پر قتل و غارت گری کے واقعات' مستشرقین کے تراشے ہوئے لگتے ہیں۔ مگر قرائن کہتے ہیں' وہ ایسا نہ تھا' شہرستانی نے جو کچھ اس کی بابت تفصیل سے لکھا' وہ قریب قریب سچ معلوم ہوتا ہے۔

حسن الصباح' صاحب تصنیف' منتظم' سیاستدان اور علم دوست شخص تھا۔ اس نے اپنے فلسفیانہ افکار میں یہ بات بہت زور دے کر کہی کہ انسان کے عقیدے کے معاملے میں مطلق اختیار کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ شاید مذہب کا یہی وہ فکری پہلو تھا' جس کے نتیجے میں اسمعیلیہ دعوت نئے خطوط پر استوار ہوئی اور آج تک وہ ایک دعوت کے طور پر' عام چلی آتی ہے۔ حسن نے اختیار کے بعد ترک عقیدہ کو نہایت قابل تعزیر جرم قرار دیا۔ اخلاق شرعی کی حفاظت پر تاکید کی اور ان شرعی حدود سے تجاوز پر' اس نے اپنے بیٹوں کو بھی سزائے موت دی۔

الموت کے علاقے کو' اس نے جزا و سزا کا ایک مثالی نمونہ بنا دیا۔

۵۱۸ھ وفات حسن بن صباح کے بعد اسمعیلی مبلغ امید رودباری اور اس کے بیٹوں محمد اور رکن الدین تک' الموت پر ان کا قبضہ رہا حتی کہ ہلاکو خاں نے ان لوگوں کو تہس نہس کر دیا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ قیامت کبری برپا ہو چکی ہے۔

عبیداللہ مہدی فاطمی :

۵۶۷ھ میں مصر میں فاطمی حکومت جو عبیداللہ مہدی اور اس کی اولاد نے قائم کی' اس نے بھی اسمعیلیہ ہونے کا دعوی کیا۔ دروزی بھی جو آج کل لبنان' ترکیہ' عراق اور ایران کی سرحدوں میں آباد ہیں' اسمعیلیہ فرقے کی اسی ایک شاخ سے ہیں اور اپنے کو فاطمی خلفاء کا پیروکار بتلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ چھٹے فاطمی خلیفہ حاکم باللہ پر امامت ختم ہوئی اور وہ غیبت میں چلا گیا۔ ان کے عقیدے میں ولی بارہ ہوں گے۔ یہ لوگ تاریخ میں قرامطہ کے نام سے مشہور ہیں :

اسمعیلیہ فکر مذہب نے اثنا عشریہ کے ساتھ ساتھ اپنا سفر طے کیا اور آج تک یہ فرقہ خواہ اثنا عشریہ کے مقابل' بہت قلیل ہی سہی' موجود چلا آتا ہے۔ چونکہ اسمعیلیہ فرقہ تقوے' پاکیزگی' علم و عمل اور روحانی مرتبت کو (برخلاف اثنا عشریہ) امامت کی اساس قرار نہیں دیتا' محض نص کو اہمیت دیتا ہے' اس لئے ان کے ہاں مذہبی قیادت پر اختلافات' اور امامت پر مختلف دعوے بھی نظر آتے ہیں' چونکہ مسئلہ امامت غیبت اور ظہور قائم پر اس فرقے میں کوئی ایک اور مستحکم نظریہ واضح نہیں' اس لئے اسمعیلیہ کے اندر بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اس عقیدے کی تشریح کی۔ ہمارے قریب تر زمانے میں' علی محمد باب اور اس کے معتقد بہاء اللہ کا فرقہ بھی' اسی اسمعیلیہ فرقے کے برگ و بار میں شمار کیا جانا چاہئے۔ اس مسلک کو بابیہ اور بہائیہ کا نام دیا گیا ہے۔

بابی اور بہائی عقائد :

علی محمد باب اور بہاء اللہ نے بہائی مذہب کی بنیاد قائم کی۔ یہ لوگ اسمعیلیہ سے علاحدہ ہوئے تھے اور انہی کے افکار سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہائی مذہب کا' شیعیت تو درکنار اسلامی عقائد سے بھی کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ شیعیت کے اصول و فروع سے بھی کوئی نسبت بابی اور بہائی عقائد کو نہیں۔ (تشیع : محمد حسین طباطبائی)

بہائیت کی بنیاد مرزا حسین علی نوری (۱۸۵۲ھ) نے رکھی۔ مرزا کے استاد علی محمد باب نے' مرزا کو بہاء اللہ کا لقب دیا۔ اسی لئے یہ مذہب بہاء اللہ کی نسبت سے بہائی کہلایا مگر اسی مذہب کو "بابی" مذہب بھی کہا جاتا ہے۔

بہائیت اسلام کا کوئی فرقہ نہیں' بلکہ ایک الگ مذہب ہے اور اس کے ماننے والے اپنے اپنے خیال میں اسے دیگر مذاہب سے بہتر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہائی شریعت ہی نجات کا راستہ ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قانون ارتقاء کا طبعی نتیجہ ہے کہ جو بعد میں آتا ہے' وہ پہلے سے بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ بہائی تعلیمات و معتقدات کا بہت بڑا حصہ اسمعیلی عقائد و تعلیمات سے مماثل ہے۔ (دائرۃ المعارف : جلد ۵ پنجاب یونیورسٹی)

بہاء اللہ کے بارے میں بہائی لوگوں کا خیال ہے کہ بہاء اللہ خود خدا تھا جو ضرورت کے مطابق انسانی جنبہ میں ظاہر ہوا۔ بہائی' بہاء اللہ سے پہلے انبیاء کو بھی ظہور الٰہی کا مصداق سمجھتے ہیں۔

قبلہ' ان کا عکہ ہے۔ اجتماعی عبادت کی کوئی شکل موجود نہیں' صبح

صادق کے وقت اسمائے الٰہی کے ورد کو اہمیت دیتے ہیں۔ "مشرق الاذکار" ان کی عبادت گاہ کا نام ہے۔ عید نوروز' ۲۱ مارچ کو' بطور مذہبی تقریب کے مناتے ہیں۔ علی محمد باب اور بہاء اللہ دونوں کو اس مذہب میں یکساں احترام حاصل ہے۔ یہ دونوں حضرات بہائیوں کے نزدیک' من یظہرہ اللہ کا مصداق ہیں۔ علی محمد باب نے اپنی وصیت میں کہا تھا کہ قریب تر آئندہ زمانے میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کے ذریعے اللہ اپنا ظہور کرے گا' چنانچہ مرزا حسین علی نوری نے اپنے لئے یہی دعوی کیا۔ یہ وہ تعلیمات ہیں جن پر ذرہ سا بھی غور و فکر کرنے والا شخص یہ جان لے گا کہ ان سے اسلام اور شیعیت کا کوئی تعلق نہیں۔ بعض اہل قلم نے اس تحریک کے ایران سے سر اٹھانے' ایرانی افراد کے اس تحریک میں نمایاں ہونے' اور علی محمد باب کے شیعہ علماء سے اکتساب فیض کرنے کے سبب اس کا رشتہ شیعت سے جوڑ دیا ہے جو کسی طور بھی درست نہیں' البتہ بہاء کا مرشد علی محمد باب شیرازی اپنے عقائد میں اس قدر آگے نہیں نکلا تھا' جس قدر بہاء اللہ نے غلو کیا۔ علی محمد (۱۸۲۰ء) اپنے آپ کو "باب" کہتا تھا۔ یہ اصطلاح اثنا عشری شیعوں میں امام مہدی کی غیبت صغری میں استعمال ہوتی رہی اور ان چار مخصوص لوگوں عثمان بن سعید' محمد ابن عثمان' ابن روح اور علی محمد سمری کو "باب" کا لقب دیا گیا۔ یہی لقب علی محمد نے اختیار کیا۔ وہ اپنے استاد شیخ احسائی اور کاظم رشتی کے عقیدہ مہدی منتظر کا قائل تھا' مگر اس نے خود "مہدی" ہونے کا اعلان کر دیا' لیکن آگے چل کر اس کے شاگرد بہاء اللہ نے بہائیہ کو شیعیت تو درکنار اپنے مبالغہ آمیز دعووں کے ذریعے' اسلام سے بھی دور کر دیا اور یہی معاملہ نصیریہ کا

ہے۔

نُصیریہ :

عقائد میں غلو کا جو حال بہائیوں کا ہے' اس سے کہیں زیادہ نصیریوں (نُ ص ی + ر ی) کا معاملہ ہے۔ شیعت سے ان کی نسبت قائم کرنا' بر بنائے جہل تو ممکن ہے وگرنہ شیعہ عقیدے کو ایسے کفریہ عقائد سے کوئی نسبت نہیں دی جاسکتی جس پر نُصیریوں کا اصرار ہے۔ حضرت امام حسن عسکری کے ایک صحابی محمد ابن نصیر نمیری کو اس عقیدے کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہی محمد بن نصیر ہے جس نے غیبت صغری کے درمیان دوسری نیابت میں ابو جعفر محمد بن عثمان کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ نیابت امام کا مستحق' ابو جعفر نہیں' بلکہ وہ خود (محمد ابن نصیر) ہے اس نے "باب" ہونے کا دعوی بھی کیا۔ یہی وہ سرگرمیاں تھیں جن کی بناء پر' ابو جعفر محمد بن عثمان نے' محمد بن نصیر کو شیعت سے خارج کر دیا۔ (غیبت : جاثم حسین) ابن نصیر نے آگے چل کر یقیناً شیعیت سے مختلف راہ اختیار کرلی' بلکہ ابن نصیر کے بعد اس کے معتقدین نے تو بالکل ایک نئے مذہب کی بنا ڈال لی۔ یہ لوگ نصیریہ (ن ص ی + ر ی) یا نمیریہ (ن م ی + ر ی) بھی کہلائے۔

نصیری' شمالی لبنان' بحیرہ روم کے ساحل' ترکیہ کی سرحدوں اور شام کے ملک میں آباد ہیں۔ طرابلس اور حماہ میں بھی یہ لوگ کہیں کہیں موجود ہیں۔ یہ لوگ مجوسیوں سے متاثر لگتے ہیں۔ تناسخ ارواح کے قائل ہیں۔ نماز' روزہ'

حج' زکوہ' جنت' دوزخ وغیرہ کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک اہل بیت کا ذکر ہی نماز ہے۔ یہ حضرت علی کی ربوبیت کے قائل ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی بادلوں میں مستور ہیں' بجلی کی گرج ان کی آواز اور اس کی چمک' ان کی مسکراہٹ ہے۔ حضرات شیخین کو قابل تعظیم نہیں جانتے۔ نصیری شراب کو نور سمجھ کر حلال جانتے ہیں۔ (عقائد ماخوذ : از انسائیکلو پیڈیا آف ری لجن اینڈ ایتھکس نویں جلد ایڈنبرا ۱۹۲۷ء)

جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے' نصیری' حضرت علی کے اپنے زمانے میں تھے' ایسا ہرگز نہیں' وہ لوگ زندیق تھے جنہیں حضرت امیر نے ان کے زنادقہ خیالات کے سبب گردن زدنی ٹھہرایا تھا۔ یہ لوگ صحابی امام حسن عسکری محمد بن نصیر کے عقائد کے سبب نصیری کہلاتے ہیں۔ عرب علاقوں پر فرانسیسی انتداب (بیسوی صدی عیسوی کی تیسری اور چوتھی دہائی) کے زمانے میں انہیں علوی (علویون) بھی کہا گیا۔

نصیریوں کے ملحدانہ خیالات' مشرکانہ عقائد اور خلاف اسلام اعمال سے شیعہ علماء نے ہمیشہ اظہار برات کیا اور انہیں مذہب اہل بیت سے خارج قرار دیا۔ سنی علماء نے بھی انہیں شیعوں کے زمرے میں کبھی شامل نہیں کیا۔ ان کے خلاف اسلام عقائد کی بنا پر ابن تیمیہ نے تو انہیں مرتد اور واجب القتل بھی بتلایا ہے۔

(حوالے کے لئے دیکھئے : الفتاوی الکبری ابن تیمیہ قاہرہ طبع ۱۹۶۶ء)

ایسے ہی ملحدانہ خیالات والے گروہ خطابیہ اور علی اللہٹی ہیں جنہیں کسی طور بھی

زمرہ اسلامی میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

خطّابیہ :

نُصَیْریہ سے علیحدہ ہونے والے بعض سرگرم سیاسی لوگوں میں "ابوالخطاب" کا نام بھی نمایاں ہے۔ شروع شروع میں یہ شخص، حضرت جعفر صادق کا داعی رہا اور ان کی وکالت کے امور بجالاتا۔ مگر اس نے غلاۃ کا عقیدہ اختیار کرلیا اور کہنے لگا کہ ذات علی ابن ابی طالب میں الوہیت ہے، چنانچہ خود حضرت جعفر صادق نے اس کے ان ملحدانہ عقائد پر نفریں کی۔ حاکم مدینہ عیسٰی بن موسٰی نے منصور عباسی کے حکم سے اسے گرفتار کرلیا اور بغداد میں دریا کے کنارے لے جاکر، ۱۴۸ھ میں قتل کردیا، لاش دریا میں بہادی۔ شیعہ عالم، الکشّی کی "معرفۃ الرجال" اور قاضی نعمان کی دعائم الاسلام میں بھی اس کے عقائد کی مذمت ملتی ہے۔

علی اللّٰہی :

غُلاۃ کے گروہ سے ہیں۔ انہیں کسی بھی اعتبار سے شیعہ نہیں کہا جا سکتا۔ موصل کے قریب آباد کردی قبائل "شبک" SHABAK اور دوسرے کُردی قبائل صارلیہ SARLIA کی طرح ان کی نسبت شیعوں سے قائم کی جاتی ہے۔ شبک اور صارلیہ کے عجیب و غریب عقائد، جن پر کسی بھی صاحب عقل شخص کو یقین نہیں آ سکتا، علی اللّٰہیوں سے کسی قدر ملتے جلتے

ہیں۔ لیکن ہمیں اسلام سے لاتعلق مورخوں اور اسلام کے مبینہ فرقوں میں سے کسی بھی فرقے سے نسبت نہ رکھنے والے ان مقالہ نویسوں کی یہ باتیں نہایت احتیاط سے قبول کرنی ہوں گی جو ان مقالہ نویسوں' خاص طور پر عیسائی پادریوں نے مطالعاتی دوروں کے بعد فرنچ' ڈچ' انگریزی اور جرمن زبانوں میں لکھیں۔

یہ کردی قبائل' ایران اور عراق کی سرحدوں پر برسہا برس سے آباد ہیں۔ بلا شبہ ان میں سے اکثر اہل بیت کے محب اور اسمٰعیل بن جعفر کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ لیکن ان کے عقائد کو عیسائی پادریوں اور مستشرقین نے جس انداز سے بیان کیا ہے' وہ کسی بھی پہلو سے شیعیت میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔

علی اللّٰہی جنہیں عراق کی بابت لکھی ہوئی رپورٹوں میں "اہل حق" بھی کہاگیا ہے' الوہیت علی کے قائل ہیں۔ ایران اور کردستان عراق میں یہ قبائل زیادہ آباد ہیں۔ خدا کے سوا' کسی کو بھی خدا ماننا شرک جلی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو مسلمان شمار کرنا' کجا کہ انہیں شیعہ بتلایا جائے' کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔

لائیڈن Leiden کی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' Brocklemann کے تحقیقی مقالوں' اور مشہور مستشرق شٹراتھ مان R_Strothmann نے اپنی تحقیقات کے ذریعے اسلام دشمنی میں بعض ایسے نہایت معمولی اختلافات شخصی کو ہوا دے کر فرقہ بنا دیا ہے' جو فی الاصل فرقہ' مذہبی مسلک یا فقہی مکتب فکر کے دائرے میں ہرگز شمار نہیں ہو

سکتے۔ سیاسی تدبر کے نتیجے میں جماعت سے علاحدہ ہو جانے والے لوگ' یا کسی مذہبی معاملے میں اپنی الگ رائے پر اصرار کرنے والے اہل الرائے' ہمیشہ تاریخ کا حصہ رہے ہیں' مگر ان کے نام سے کسی فرقے کو منسوب کر دینا' اسلام کو منتشر الخیال دکھانے کی معاندانہ کوشش ہے۔ عیسائی مشنریوں' علوم شرقیہ اور تہذیب اسلام پر کام کرنے والے بعض یہودی اور عیسائی اہل قلم نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے مابین بہت سے مذہبی فرقے ظاہر کرکے' اسلام کی بنیاد کو کمزور ثابت کیا جا سکے۔

شیعہ علماء نے ایسے عقائد کو جو اسلام کی روح توحید کے سراسر منافی ہوں' کبھی اپنا نہیں کہا۔ شیعہ عقیدے کی رو سے ائمہ اثنا عشر' پیغمبر اسلام ﷺ کی مسند علم و حکمت کے اصل وارث ہیں۔ دین کے بارے میں کی گئی ان کی تشریحات ہی فی الاصل اسلام کی صحیح تعبیر ہیں۔ اگر کوئی اور شخص ان کے برخلاف کسی حکم کی تشریح و تعبیر کرتا ہے' وہ قابل تسلیم نہیں' گویا اسلام کی حقیقی صورت وہی ہے جو شیعی اعتبار سے ائمہ اہل بیت نے پیش کی اور یہ وہی تشریحات ہیں جو قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ نئے روحانی انقلاب' دعوے امامت اور مذہبی قیادت کی یہ لہریں صرف اولاد جعفر میں اسمٰعیل اور محمد بن اسمٰعیل کے طرفداروں ہی سے وابستہ نہیں' حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کے مقابل عبداللہ افطح کے دعوی امامت کا معاملہ بھی ہے۔

عبداللہ افطح باپ (حضرت جعفر صادق) کی وفات کے بعد اپنے دعوے میں زیادہ سرگرم ہو گئے۔ جن لوگوں نے انہیں امام مانا' وہ فطحیہ کہلائے

اور ان شیعوں میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے نہ عبداللہ کو امام مانا' نہ اسمٰعیل کو اور نہ حضرت موسی کاظم کو۔ ان کے نزدیک امامت حضرت جعفر صادق پر ختم ہوئی۔ یہ لوگ واقفہ (واقفیہ) کہلائے۔

فطحیہ :

عبداللہ افطح حضرت امام صادق کے تیسرے فرزند ہیں۔ انہی کے نام کے سبب امام کی کنیت ابو عبداللہ قرار پائی۔ افطح ان کا لقب ہے۔ لغت میں افطح اور افطس دونوں قریب المعنی ہیں۔ افطح کا مطلب ہے پنچہ مڑا ہوا شخص۔ جس شخص کے پاؤں کے پنجے مڑے ہوئے ہوں یا ناک چپٹی ہو' اسے افطح کہا جاتا ہے۔ ان بزرگ کے بارے میں ہے کہ ان کے پاؤں کے پنجے پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے۔ امام کے یہ فرزند جناب اسمٰعیل سے چھوٹے اور حضرت موسی کاظم سے بڑے تھے' لیکن اولاد جعفر میں انہیں کوئی نمایاں مقام حاصل نہ تھا۔ الا کہ ان کی نسبت سے' باپ کی کنیت قرار پائی تھی۔ سیرت و سوانح اور انساب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر پر حضرت امام جعفر صادق کا کوئی خاص التفات بھی نہ تھا' جبکہ اور بھائیوں کی طرف امام زیادہ متوجہ رہتے تھے۔ عبداللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اہل بیت کی تعلیمات کے برخلاف' مرجیہ کی طرف ان کا زیادہ میلان تھا۔ یہ چونکہ جناب اسمٰعیل کے بعد اولاد جعفر میں سب سے بڑے تھے اس لئے انہوں نے از خود دعوی امامت بھی کر دیا لہٰذا جن لوگوں نے ان کو امام تسلیم کیا وہ فطحیہ کہلائے۔

واقفیہ :

امام جعفر صادق کی زندگی میں جناب اسمٰعیل نے وفات پائی اور پھر حضرت امام صادق نے اپنی مدت امامت پوری کی تو حضرت امام جعفر صادق کے بعد امام موسی کاظم اثنا عشری فرقے کے امام ہوئے۔ جناب موسی کی امامت میں انکار و اقرار کے کئی پہلو سامنے آئے۔ بلکہ امامت موسی کاظم کے مقابل ان کے بھائیوں کا امامت کے لئے ادعا بھی عام ہوا۔ تب حضرت موسی کاظم کو امام ماننے والوں کے ایک طبقے نے یقین کیا کہ امامت موسی کاظم پر ختم ہو گئی۔ ان کے زمانے میں امامت پر بہت شدید اختلاف تھا اور یہ اختلاف آگے کی طرف اور زیادہ بڑھتا معلوم ہوتا تھا لہٰذا جناب موسی کاظم کے بعض پیروکاروں نے سمجھا کہ امامت اب ختم ہے۔ حضرت موسی کاظم غیبت میں ہیں اور وہ مناسب موقع پر ظہور کریں گے۔ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ امامت حضرت جعفر صادق پر ختم ہو گئی۔ ان لوگوں نے امامت پر وقف (فل اسٹاف) کیا۔ اسی لئے ملل و نحل پر کتابیں لکھنے والے مورخین نے شیعیت کی اس شاخ کو واقفہ (واقفیہ) کے نام سے یاد کیا ہے۔

ائمہ قریش کی بابت احادیث نبی اور مہدی کے خبر ظہور کے سلسلے سے آنے والی متصل و موصول روایات کی بعض سیاسی طالع آزماؤں اور اقتدار پسندوں نے اپنے مفادات کی خاطر نئی نئی تعبیریں پیش کیں۔ عامہ الناس میں چونکہ علم عام نہ تھا، تعلیم و تدریس محض مدرسوں تک محدود تھی، عام لوگ ذاتی

طور پر مذہب کی معرفت کو ضروری نہ سمجھتے تھے۔ ان عام لوگوں میں ادراک، عقل، منطق و مباحث کا ایسا رواج بھی نہ تھا۔ مذہبی اداروں میں چند مخصوص اور مکتبی اہل علم کا سکہ رواں تھا، اس لئے انہی کی بات حرف آخر اور قول ثابت کے طور پر قبول کرلی جاتی تھی۔ چنانچہ اس مکتبی اقتدار کے سبب، بعض اہل علم نے منطق و بیان اور معانی کے زور پر نئے فقہی مسالک اور نئی امامتوں کا دروازہ کھول دیا۔ نہ صرف یہ کہ امامت کے نئے تصورات دئے بلکہ ان کی تبلیغ میں اصرار اور شدت سے بھی کام لیا۔ آگے چل کر ایسے ہی مباحث تفریق کا باعث بنے جن کا ذکر آئندہ کے صفحات میں نظر آتا ہے۔

وہ فرقے جو قصہ پارینہ ہوئے

(ہشویہ۔ جوالیقہ، سالمیہ۔ بیانیہ۔ واقفیہ
لاادریہ۔ یونسیہ، نفیسیہ، زراریہ۔ مفضلہ
سردابیہ وغیرہ)

انتقام خون حسین کی ان تحریکوں کو بعض مورخین نے امامت اثنا عشر کے مقابل' دعوی امامت اور اختیار امت کی خواہش قرار دیا ہے۔ ان مورخین نے اس تجزیے کے ذریعے امامت کے اثناعشری تصورات کو' طالبین (اولاد علی) کے باہمی اختلاف کے حوالے سے کمزور ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے حالانکہ اصل معاملہ یہ نہ تھا۔ بات یہ تھی کہ ان میں سے ہر محرک انقلاب ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا مگر اولاد علی کا حق غصب کرنے والوں اور ان پر ظلم کرنے والوں کے پاس طاقت اور اقتدار تھا' اس لئے ان زور آزماؤں کے خیال میں طاقت اور اقتدار حاصل کئے بغیر دشمنان آل محمد سے مقابلہ ممکن نہ تھا البتہ یہ بات بالکل درست ہے کہ ان میں سے کسی بھی تحریک انقلاب میں ائمہ اثنا عشر کی کوئی ایک فرد بھی' عملاً اور قولا شامل نہیں ہوئی۔ اس بات سے تاریخ نویسوں نے یہ استدلال کیا کہ چونکہ کوئی امام اس میں شریک نہ تھا اور جو لوگ افراد اہل بیت کے اس میں شریک تھے' انہوں نے اپنے زمانے کے امام کو اپنا ہادی نہیں جانا۔اس سے ثابت ہوا کہ وہ امامت کے اس تصور کے خلاف تھے جو محض درس و تدریس کی حد تک اپنے آپ کو محدود کر لے۔ مورخین کے اس استدلال کو جناب زید اور اولاد حسن کے اس نظریے سے بھی تقویت ملی کہ امام کے لئے جہاد لازم ہے۔ ان دونوں صاحبوں کا خیال یہ تھا کہ امام صرف وہ شخص ہوگا جو طاغوت' ظلم اور جبر کے خلاف جہاد بالسیف کرے' بالخصوص حضرت علی ابن الحسین کے فرزند' جناب زید کا' حضرت امام باقر سے بالکل مختلف نقطہ نظر اختیار کرنا اور اپنی تحریک کو ان کی منشاء کے بغیر شروع

کرنا' ایسی صورت حال ہے جو امام وقت سے ظاہراً اختلاف کی ایک واضح مثال کہی جا سکتی ہے مگر جناب زید کے اس فیصلے کو ہم ان کا سیاسی معاملات میں اختلاف رائے اور مذہبی حوالے سے اجتہادی نقطہ نظر کہہ سکتے ہیں' امام کی مخالفت اور انکار سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ صریحی طور پر یہ نقطہ نظر کا اختلاف ہے' اسے دعوی امامت نہیں کہا جا سکتا۔ ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ امامت کے ایسے مسلمات اور امامت کی یہ تشریحات جو آج ہمارے مذہبی لٹریچر کا حصہ ہیں' تیسری صدی ہجری تک یہ سب کچھ یوں نہ تھا۔ لہٰذا خاندان اہل بیت کی سربراہی کرنے والے ممتاز افراد سے اختلاف رائے کیا جاتا رہا اور یہ اختلاف خود افراد خاندان کے درمیان بھی ہوتا رہا۔ اسلام نے جن امور میں آزادی رائے اور اختیار عمل کا حق دیا' یہ لوگ اسے بے باکانہ طور پر استعمال کرتے ہے بلکہ بعض جگہ اس اختلاف رائے نے دشمنی کی صورت بھی اختیار کر لی۔ زید بن حسن مثنی نے ایک غلام کے ذریعے' حضرت امام محمد باقرؑ کے گھوڑے کی زین کو زہر آلود کر دیا تاکہ امام ہلاک ہو جائیں (بحوالہ لوائح الاحزان۔ از سید محمد مہدی) بات دراصل یہ ہے کہ خاندان اہل بیت کے ان مفتخر و معزز سربراہوں کو اس زمانے تک مفترض الطاعۃ کی حیثیت حاصل نہ تھی' انہی معنوں میں جناب محمد ابن حنفیہ نے واقعہ کربلا میں شرکت نہیں کی بلکہ حضرت سید الشہداء کو کربلا جانے سے روکا بھی اور وہاں نہ جانے کا مشورہ بھی دیا۔ اسی طرح جناب عبداللہ ابن جعفر (جناب زینب کے شوہر) کا معاملہ ہے۔ نہ وہ خود شریک ہوئے اور نہ اس عدم شرکت پر کوئی تاسف کا اظہار کیا۔ یہی معاملہ' جناب امیر کے فرزند عمر اطرف کا ہے کہ

انہوں نے بھی حضرت امام زین العابدین سے بعض امور میں اختلاف کیا۔ وہ صدقات آل محمد کی تولیت اور تصرف کے بارے میں امام سے زیادہ اپنے آپ کو (بھتیجے کے مقابلے میں چچا کی حیثیت سے) حقدار جانتے تھے۔ بالکل ایسی ہی صورت حال جناب زید ابن علی کی ہے۔ انہوں نے بھی حضرت امام محمد باقر کے مکمل آداب و احترامات کے باوصف (بغیر کسی دعوی امامت کے) یہ قابل تسلیم نظریہ وضع کیا کہ ظالم و جابر حکومتوں اور استحصالی قوتوں کے خلاف عملی اقدامات کرنا یا ان کے لئے اسباب جمع کرنا دینی فریضہ ہے اور اس نظریے پر امام محمد باقر کے بہ خلاف منشاء' عمل بھی کر دکھایا۔ حضرت امام حسن کی اولاد حسن مثنیٰ ----- حسن مثنیٰ کی اولاد عبداللہ محض' عبداللہ محض کی اولاد نفس زکیہ' ابراہیم' یحییٰ اور ادریس نے بھی امام جعفر صادق کی تائید و رضامندی کے قطع نظر منصور عباسی کی سفاکی اور اہل بیت دشمنی کے خلاف یہی کچھ کیا۔ حضرت امام جعفر صادق کے چچا زاد بھائی حسن افطس (بیٹے تھے علی اصغر بن علی بن الحسین کے) نے حضرت جعفر سے شدید اختلاف کیا بلکہ یہاں تک بات پہنچی' مولوی عمار علی صاحب تفسیر عمدہ البیان' سورہ الرعد میں کہتے ہیں کہ "حضرت امام جعفر صادق نے جب وصیت کی کہ ستر دینار' میری وراثت سے حسن افطس کو بھی جائیں تو ان کے حرم نے کہا وائے ہو ! اس میراث کا شریک وہ ہو جس نے آپ پر تلوار سے حملہ کیا۔" اولاد جعفر صادق میں اولاد اسمٰعیل نے بھی حضرت موسی کاظم کے برخلاف راستہ منتخب کیا۔

امام علی نقی کے بھائی موسی بن تقی نے بھی متوکل عباسی کی ہم مشربی

قبول کرلی۔ بھائی کے ہزار سمجھانے کے باوجود وہ نہ مانے اور اسی راستے پر قائم رہے۔ متوکل نے جب مکمل طور پر موسی کو قابو کر لیا' ایک نہایت عمدہ مکان میں عیش و طرب کی تمام سہولتیں فراہم کر دیں تب حضرت امام علی نقی نے وصیف کے مقام پر تنہا ملاقات کر کے انہیں بہت سمجھایا اور کہا کہ متوکل سے کہو کہ وہ تمہیں غلط سمجھ رہا ہے اور جو تنعیشات تمہیں وہ فراہم کر رہا ہے وہ خود تمہارے اور تمہارے خانوادے دونوں کی تحقیر کا باعث ہیں' لیکن موسی نے امام علی نقی کی کوئی بات، بھی نہ مانی۔ (بحوالہ ارشاد) یہ سب وہ لوگ تھے جنہوں نے امام کو مفترض الطاعہ (جیسا کہ اب سمجھا جاتا ہے) نہیں سمجھا اور امامت کے احکامات و منشاء کو حکم واجب کے طور پر تسلیم نہیں کیا۔ نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کیا بلکہ ائمہ طاہرین کے خلاف محاذ آرائی بھی کی۔ اس ساری صورت حال کو نظر میں رکھئے۔ معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی خارج از ایمان نہیں کہلایا' کسی کا ایمان بھی مشتبہ نہیں ہوا' خانوادہ اہل بیت سے نسبت بھی نہیں ٹوٹی بلکہ وراثت اور ترکے میں برابر حصہ بھی ملتا رہا۔ ان تمام لوگوں کے درمیان باہمی رشتے داریاں بھی قائم ہوتی رہیں اور ان میں سے ہر ایک کی آل اولاد آج بھی اپنے سلسلوں میں فخریہ طور پر منسلک چلی آ رہی ہے۔

اس ساری صورت حال کے مد نظر بالیقین یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ان باتوں کی ایسی اہمیت نہ تھی جیسی ان اختلاف کرنے والے لوگوں کے اقدامات کے نتیجے میں' اب اس قدر اہمیت اختیار کر گئی۔ خاندان اہل بیت کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ان کے بعض افراد ایک دوسرے سے مختلف الرائے بھی

تھے مگر یہ دینی مسائل و معاملات شریعت کا اختلاف نہ تھا' بلکہ قیادت کا تھا۔ یہ زیادہ تر اختلاف نیابت اور امامت کی بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت کم ہی ایسا ہوا کہ شیعان علی میں دینی مسائل و احکامات میں اختلافی تاویل و تشریح کے سبب' یہ تقسیم عمل میں آئی ہو' البتہ ابراہیم محمد بن الحسین' ہشام ابن سالم' ہشام بن الحکم اور محمد بن نصیر نمیری کے حوالے سے بعض باتیں ایسی ظہور میں آئیں جن کا اہل بیت کی تشریحات دینی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ لوگ سالمیہ اور حشویہ (ہشویہ) کہلاتے ہیں۔ ایسی ہی دیگر تشریحات مذہب' جو اہل بیت کے مسلک سے بالکل مختلف کی گئیں' اور جن کے نتیجے میں مزید فرقہ بندیاں ظہور میں آئیں' انہیں کسی طور بھی شیعی عقیدے سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔

ہشویہ : (ہائے ہوز اور حطی دونوں املاء کے ساتھ یہ لفظ ملتا ہے)

یہ گروہ قرآن کے کلمات کے ظاہری معنوں کو معنی حقیقی پر محمول کرتا تھا اس لئے ان آیات ربانی کے ظاہر معانی کو اہمیت دیتے' جن میں خداوند عالم کی تجسیم و تشکیل قائم ہوتی تھی۔ خدا کا چہرہ ہونا' اس کا تخت پر بیٹھا ہونا' سننا' دیکھنا' کلام کرنا ایسے قرآنی الفاظ ہیں جن سے وہ تجسیم ثابت کرتے تھے اور ایسے کلمات کو جائز سمجھتے جن سے خداوند عالم کے اعضائے جسمانی ثابت ہوتے ہوں۔ یہ لوگ صفات الہیہ کو من و عن ویسا ہی تسلیم کرتے' جیسا کہ کسی متحرک اور مجسم شے سے ان کا تعلق قائم کیا جاتا ہو۔ یہ لوگ قرآن مجید کے ظاہری کلمات کو قابل ترجیح سمجھتے تھے اور ان کی لفظی تاویل پر اصرار کرتے۔ یہ خیالات

اس شیعی فرقے سے مخصوص کئے جاتے ہیں جس کی قیادت ہشام بن الحکم اور ہمام بن السالم جوالیقی نے کی۔ ان کا ایک بے ہودہ عقیدہ یہ تھا کہ خدا' انسان کی صورت پر ہے۔ نصف اوپر کا حصہ محض نور ہے۔ نصف نچلا حصہ ہاتھ' پاؤں وغیرہ انسانوں جیسے ہیں۔ ان فرقوں کا خیال تھا کہ امام خطا سے بری ہے مگر نبی سے خطا کا امکان ہے۔ (شیعہ انسائیکلوپیڈیا حسن الامین' بیروت ۱۹۶۸ء جلد ا)

چنانچہ ان لوگوں نے بدر کے کافر قیدیوں کو رقم لے کر رہائی دینے پر پیغمبر اسلام کے عمل کو (معاذ اللہ) درست قرار نہیں دیا۔ (حوالہ بالا)

یہ حضرت امام باقر اور جعفر صادق کے حلقہ درس کے نہایت اہم لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہشام بن سالم الجوالیقی کے نام سے ایک فرقہ سالمیہ (یا جوالیقہ) بھی مشہور ہے۔ جس طرح ہشام بن الحکم کے نام سے اسی فرقے کو ہشویہ کہا جاتا ہے۔ ہرچند کہ ان کے عقائد کی نفی' حضرت امام رضا اور حضرت موسیٰ کاظم نے نہایت شدومد سے کی۔ (بحوالہ اصول کافی : باب دہم : اوصاف الٰہی)

اصول کافی میں ہے :

"ابراہیم محمد بن الحسین سے مروی ہے کہ ہم امام رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے بیان کیا' حضرت رسول خدا نے شب معراج اپنے رب کو ایک کامل نوجوان کی صورت میں دیکھا' جس کا سن تیس برس کا تھا اور پھر ہم نے کہا ابن سالم اور مومن طاق کہتے ہیں کہ خالی ہے ناف تک اور بقیہ روحانی ہے۔ حضرت (امام رضا) سجدہ میں گئے اور فرمایا: اے معبود تو پاک ذات

ہے۔ لوگوں نے تجھ کو پہچانا نہیں اور تجھے واحد نہ جانا' اس لئے تیرا وصف غلط بیان کرتے ہیں۔" چنانچہ ہشویہ اور سالمیہ کے جواب میں حضرت امام موسی کاظم نے فرمایا خدا کے لئے کوئی حد نہیں اور نہ وہ صفات مخلوق سے متصف ہے۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں' نہ اس سے کوئی مشابہ ہے وہ بری ہے اس سے کہ کوئی اس سے مشابہ ہو(اصول کافی : باب دہم نہی عن الصفہ)

ہشویہ' قرآن مجید کے کلمات کی ظاہری معنویت پر زور دیتے۔ خیال ہوتا ہے شاید فرقہ باطنیہ کی انتہاپسندی کے خلاف ان کے ہاں ایسے خیالات نے راہ پالی ہو' کیونکہ باطنیہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مجید کے ہر ظاہر لفظ و معنی میں ایک باطنی مفہوم پوشیدہ ہے۔ ان کے برخلاف ہشویہ نے کہا کہ قرآن مجید کے ظاہری لفظوں کو معنی حقیقی میں دیکھنا چاہئے۔

ہشویہ خیالات' ایک طرف قرآن کی تعبیرو تشریح سے متعلق ہیں' دوسری طرف ان کی شہرت کامدار اس عقیدے پر بھی ہے جس کے تحت یہ بنوامیہ کی امامت و خلافت کو جائز گردانتے تھے۔ ان کے عقیدے میں امامت و خلافت اہل بیت پیغمبر کا حق قطعانہ تھا۔ (الارشاد : بہ ذیل حسن ابن علی)

کہا جاتا ہے یہی نظریہ' حضرت زید بن حسن (امام کے سب سے مسن صاحب زادے) کا تھا۔ وہ اپنی نوے سالہ طویل زندگی تک اسی عقیدے کی بناء پر بنوامیہ کی نظر میں مفتخر رہے۔ عبدالملک' حجاج بن یوسف وغیرہ نے انہیں عمر بن علی (اپنے چچا) کی نسبت ہمیشہ زیادہ اہمیت دی' لیکن زید بن حسن پر یہ الزام ان معنوں میں درست معلوم نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنے باپ

"حسن" اور دادا "علی" کی امامت کو کبھی رد نہیں کیا۔ (بحوالہ ارشاد : باب حسن بن علی)

"خطط" میں مقریزی نے زراریہ' حاکمیہ' جو الیقیہ' یونسیہ اور مفضلہ فرقوں کو بھی حضرت جعفر صادق کے بعد وجود میں آنے والے شیعہ (رافضی) فرقے قرار دیا ہے۔ یہ گمنام فرقے محض نام کی حد تک رہے نہ یہ عقائد کبھی مقبول ہوئے اور نہ انہیں عوام میں پذیرائی حاصل ہو سکی۔

زراریہ :

زرارہ بن عیون زراریہ کا بانی ہے۔ حضرت جعفر صادق کے مکتب فیض کا کبھی طالب علم رہ چکا تھا۔ اس نے کہا کہ جعفر صادق کے بعد امامت عبداللہ ابن جعفر کو ملنی چاہئے۔

مفضلہ :

مفضل بن عمر' مفضلہ کا بانی ہے۔ یہ کہتا تھا' امامت جناب جعفر صادق کے بعد' محمد بن جعفر صادق کو جاتی ہے۔

یونسیہ :

یونس بن عبدالرحمن یونسیہ کا بانی ہے۔ یہ بھی امام جعفر صادق کا ہم عصر ہے۔ کہتا تھا امامت موسی کاظم کا حق نہیں۔ (بحوالہ شیعہ انسائیکلوپیڈیا حسن

الامین' بیروت)

بہرحال اکثریت شیعہ اس بات پر متفق تھی کہ حضرت امام جعفر کے بعد امامت حضرت موسی کاظم کا حق ہے۔ گویا اثنا عشریہ کی اصطلاح سبعیہ کے مقابل وضع ہوئی۔ سبعیہ وہ کہلائے جنہوں نے چھٹے امام کے بعد ساتویں پر اپنی راہ الگ کرلی۔

سبعیہ :

وہ لوگ ہیں' جو فی الاصل اثنا عشری شیعوں سے علاحدہ ہو گئے۔ ان کے ہاں امامت کا تصور موروثی ہے اور امامت' من جانب اللہ باپ سے بیٹے کو پہنچتی ہے۔ جدائی کی یہ شکل' جسے سبعیہ کہا جاتا ہے' تب پیدا ہوئی' جب حضرت امام جعفر صادق' شیعوں کے چھٹے امام نے وفات پائی۔ کچھ نے اسمٰعیل بن جعفر کو امام بنایا' کچھ نے انہیں نہ مانا' ان کے بیٹے محمد بن اسمٰعیل کو مانا۔ ان کے مقابل مبارکیہ کا شدت کے ساتھ اصرار تھا کہ اسمٰعیل ہی امام مہدی' امام آخر' امام التام اور قائم ہیں اور مستور ہیں۔ چھٹے امام حضرت جعفر صادق کے بعد' ان کی اولاد کا ہر وہ فرد جو مختلف عقیدوں کے تحت' امام قرار پایا' اس کا عددی شمار چونکہ ساتواں تھا' اس لئے بعض مورخین نے ان سب کو سبعیہ کہا ہے۔ ان کی سبعیہ (سات کو ماننے والا) ہونے کی توجیہہ یہ بھی کی گئی کہ ان سب کے یہاں چونکہ امامت ساتویں تھی' اس لئے سات کے عدد کی اہمیت کو بہت اچھالا گیا۔ بہرحال یہ امر مسلم ہے کہ سبعیہ' اثنا عشر کے مقابل وہ گروہ ہے' جو جناب موسیٰ کاظم کی

بجائے' ان کے دوسرے بھائیوں کی امامت کا قائل ہے۔ یہی بعد میں قرامطہ' باطنیہ وغیرہ کہلائے۔

فرقہ سبائیہ

شیعیت کے حوالے سے عبداللہ ابن سبا کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ شیعہ علماء اور شیعہ عامۃ الناس نے عبداللہ بن سبا کو کبھی شیعہ نہیں جانا' اس کے عقائد کا شیعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ ابن سبا کو' ابن السوداء' ابن حرب اور ابن وھب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ شخص یمن کا ایک یہودی بتلایا جاتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور کے کئی فتنے اس کی ذات سے وابستہ کئے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کے خلاف نہایت سرگرم شخصیت تھا۔ مصر پہنچ کر اس نے حضرت عثمان کی خلافت سے علی الاعلان مخالفت کی۔ بتلایا جاتا ہے کہ یہ غلاہ (اہل بیت کی محبت اور عقیدت میں انتہاپسندی کا اظہار کرنے والوں) میں سے تھا۔ حضرت علی کو خدا مانتا تھا مگر خود حضرت علی نے اس کے کفریہ عقائد کی بنا پر اسے جلا دینے کا حکم دیا۔ اس کے عقائد کی پیروی کچھ بعد کے لوگوں نے بھی کی' وہ سبائیہ کہلائے۔ بعض مخالفین شیعہ' اسے شیعہ عقائد کا حامی کہتے ہیں اور شیعوں کو طنزا سبائیہ کا نام دیتے ہیں' حالانکہ شیعہ علماء نے اس کے عقائد کو کافرانہ بتلایا اور اسے قابل لعن کہا ہے۔ (کتاب الرجال : ابن علی) (عبداللہ ابن سبا الاصلاح کھجوا بہار ہند)

مشہور شیعی مورخ الکشی کا کہنا ہے کہ عبداللہ ابن سبا مدعی نبوت تھا

اور حضرت علی کو خدا مانتا تھا۔ (الرجال : محمد بن عمر کشی بمبئی طبع ۱۳۱۷ھ) یقیناً یہ وہ عقائد ہیں جن کی موجودگی میں کوئی بھی سلیم الطبع اور منصف مزاج شخص عبداللہ ابن سبا کو شیعہ تو کجا مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔

شیطانیہ :

مقریزی نے اپنی کتاب "خطط" میں جن شیعہ فرقوں کا برائے نام تذکرہ کیا' ان میں ایک نام "شیطانیہ" بھی ہے۔ (شیعہ انسائیکلوپیڈیا : حسن الامین بیروت ۱۹۶۸ (I)) یہ فرقہ امام جعفر صادق اور امام موسی کاظم کے ایک صحابی محمد بن نعمان کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ محمد بن نعمان کو ان کی فطانت' غیر معمولی ذہانت' رائے کی اصابت اور عزیمت کے حوالے سے "شیطان" کا لقب دیا گیا' کیونکہ لفظ شیطان کی عرفی اور اصطلاحی معنویت سے یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے۔ محمد بن نعمان' اپنی ایک مضبوط رائے رکھنے والے اور اس پر سختی سے قائم رہنے والے شخص تھے۔ کوفے کے خاندان صراف سے ان کا تعلق تھا۔ سونے کے سکے کی فوری طور پر اصل نقل پہچان لیتے۔ ادھر ادھر سے آئے ہوئے تاجروں کو جو کوفے کی اشرفیوں کو زرمبادلہ کے طور پر استعمال کرتے' کھرے اور کھوٹے کی تمیز کے لئے فوری مدد کی ضرورت ہوتی' تب یہ لوگ محمد بن نعمان کی شہرت کی بنا پر اس کے پاس آتے۔ وہ پہلی ہی نظر میں بغیر تامل کے اصل نقل بتلا دیتا' لہٰذا لوگوں نے اسے اس کی فطانت' تیزی طبع اور عقل کی بنا پر "شیطان" کا لقب دیا۔ عربی عام بول چال اور روزمرہ میں اس لفظ

کے یہی قریب تر معنی بھی تھے۔ محمد ابن نعمان کے لئے "طاق" کا لفظ اس لئے معروف ہوا کہ یہ کوفے کے قدیم محلے "طاق المحامل" کا رہنے والا تھا اور چونکہ طرفدار اہل بیت اور مومن کامل تھا' اس لئے اس کی صفات ایمانی' عقل عمومی اور نسبت امام کے سبب اسے امتیازا "مومن طاق" کہا جانے لگا کیونکہ طاق المحامل کے سبب شیعہ ایسے نکتہ رس' فہیم اور حاضر دماغ نہ تھے۔ (شیعہ انسائیکلوپیڈیا : حسن الامین بیروت)

محمد بن نعمان کے نام سے جن عقائد کو شہرت دی گئی' ان میں سے ایک بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ خداوند عالم ان امور کی خبر نہیں رکھتا جو اختیار بشر کے ذریعے آئندہ ہونے والے ہیں اور انہی معنوں میں محمد بن نعمان کے پیروکار خدا کو علیم و خبیر مطلق نہیں مانتے تھے' کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر امور و افعال پہلے سے اس کی خبر میں ہوں تو خلاف واقعہ ان کا صدور کیونکر ہو سکے گا؟ اور پھر اختیار بشر اور آزمائش نفس کا مسئلہ مہمل ہو کر رہ جائے گا یہی وہ بحث ہے جس کے نتیجے میں معتزلہ فرقہ وجود میں آیا اور شیطانیہ کو بھی الخطط مقریزی وغیرہ میں معتزلہ کی ہی ایک شاخ بتلایا گیا۔

یہ عجیب بات ہے بعض متعصب مورخین کو جہاں اور جس قدر کوئی بات ایسی ہاتھ آئی جسے اچھالا جا سکے یا جس میں رنگ آمیزی کا امکان زیادہ ہو وہ بات بڑی حاشیہ آرائی کے ساتھ ضرور بیان کی گئی۔ ایسے ہی معاملات میں اس مشہور شیعہ متکلم محمد ابن نعمان کا علم الٰہی سے متعلق یہ نظریہ تھا جسے کئی شیعہ مخالف مورخوں نے خوب شہرت دی' حالانکہ علم کلام کی رو سے یہ ایسے مضامین

تھے جن پر فرقے اور ہر مسلک کے اگلے پچھلے بہت سے علماء نے اپنی اپنی الگ رائے دی ہے۔ مثلاً اشاعرہ اور معتزلہ کا اختیار و جبر کے مسئلے میں مختلف الرائے ہونا' معراج نبی کا جسمانی یا روحانی ہونا' انبیاء کا معصوم عن الخطاء ہونا' یا ترک اولی کرنا' قرآن کا مخلوق (خلق) ہونا یا نہ ہونا' جنت و دوزخ' اجناء کی ماہیت اس طرح ہونا جیسا کہ معروف ہے یا اس کے برخلاف ہونا' عذاب و ثواب کا قبر میں شروع ہو جانا یا نہ ہونا' صفات کا عین ذات ہونا یا نہ ہونا' اعیان ثابت' لوح محفوظ' بدا اور ان جیسے بے شمار مسائل و معتقدات ایسے ہیں جن پر اصحاب کرام سے لے کر آج کے علماء اعلام تک اختلاف رائے موجود ہے' لیکن محض نظری مباحث کی اس بنیاد پر طعن اور تعریض' تمسخر اور تضحیک کی راہ سے ایسے مختلف الرائے لوگوں کو امام فرق نہیں کہا جا سکتا اور نہ ایسے نظریات کو ملت اور نحل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے مباحث علمی کو فرقے کی تقسیم کے حوالے سے دیکھنا' کھلی ہوئی ناانصافی اور عصبیت کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

یہ نظری اور استدلالی بحثیں تھی۔ ان کی بنیاد کسی اصولی اختلاف پر ہرگز نہ تھی' یہ وہ نتائج بحث کہلائے جا سکتے ہیں جو علم کلام' منطق اور فلسفیانہ سوچ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی بحثوں کو فرق' ملل یا نحل کہنا کسی بھی طور درست ثابت نہیں ہوتا۔ سابقہ صفحات اور آئندہ ابواب میں تاریخی روایات کے اعتبار سے منقولا جن فرقو کا تذکرہ ملے گا' وہ فی الحقیقت ایسے مکاتب فکر ہیں جنہوں نے مذہب کے بنیادی اور اصولی معتقدات کی تشریح و تعبیر میں' الگ الگ راستوں کا انتخاب کیا' کچھ نے اعتدال اختیار کیا' کچھ نے غلو سے کام لیا اور کچھ

نے ان تشریحات کے سلسلے میں محض تقلید کو بہتر سمجھا۔ تفریق شیعیت کے اس معاملے میں بعض تاریخ نویسوں کی متعصبانہ روش' سردابیہ کے تذکرے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شیعیت میں ظہور مہدی کا عقیدہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے لیکن ظہور مہدی کب اور کس طرح ہو گا؟ مہدی کون اور کیسا ہو گا؟ مہدی کے ساتھ ہبوط عیسی بھی لازم ہے یا نہیں ہے؟ یہ سب وہ باتیں ہیں یقینی طور پر جن کا جواب ممکن نہیں لہٰذا ظہور مہدی کی خواہش کرنا اور اس ظہور کے نتیجے میں اصلاح احوال کی تمنا رکھنا یہ اس بنیادی عقیدے (ظہوری مہدی) کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر کوئی طبقہ' فرد یا علاقے کے افراد اس ظہور کے لئے دعا کریں اور دعا کو کوئی رواجی صورت دے دیں تو اس سے کوئی فرقہ قائم نہیں کیا جا سکتا ہے' مگر ہمارے بعض مورخین نے' اسے بھی فرقہ قرار دے دیا ہے۔

سردابیہ :

فارسی لفظ' سرد آب سے معرب کیا گیا۔ فارسی میں بالفتح تھا لیکن عربی میں (بالکسر) سرداب کہا گیا۔ گرمیوں کی حدت سے بچنے کے لئے زیر زمین بنے ہوئے تہ خانے کو کہتے ہیں۔

غیبت امام مہدی کو جب زمانہ زیادہ گزر گیا' دو تین صدی بعد لوگوں میں ظہور مہدی کی خواہش نے شدت اختیار کی' لوگوں نے امام کے ظہور اور ان کے ظہور سے وابستہ کامیابی (غلبہ حق) کے لئے کہنا شروع کیا : عجل اللہ تعالی فرجک خدائے بزرگ آپ کے ظہور (ظہور کی کامیابی اور خوشی) میں

جلدی کرے۔ وسهل الله مخرجک اور آپ کا (پردہ غیب سے) نکلنا (ہم پر) آسان فرمائے۔

آج تک یہ الفاظ ہر نماز، ہر دعا، اور ہر تقریب کے بعد شیعوں کی زبان پر جاری ہیں۔ صاحب تاج العروس (لغت عربی) نے سرداب کے ذیل میں بہ حرف "س" ذکر کیا ہے کہ یہ غلاہ (غالی شیعوں) کا ایک فرقہ تھا جو بعد نماز جمعہ ہر جمعہ کو "رے" میں بنے ہوئے ایک تہ خانے (سرداب) تک ایک سجے بنے گھوڑے کو عمدہ پوشاک آراستہ کرکے لاتا اور تہ خانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر تین بار "یا امام بسم اللہ" کہتا۔ گویا اس عمل کے ذریعے اُنہیں یقین تھا کہ امام جلد ظہور فرمائیں گے۔ (دائرہ المعارف پنجاب یونیورسٹی حرف ر،س)

حضرت امام مہدی کے غائب ہونے کا مقام شیعہ روایات کے مطابق سامرہ عراق ہے۔ مہدی موعود کا یہ عقیدہ کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں اب تک باقی ہے۔ جہاں کہیں اور جب کبھی مسلمانوں کو کوئی مجموعی پریشانی محسوس ہوتی ہے یا وہ جب کبھی کسی انتشار اور انقلاب میں گھر جاتے ہیں تو اس عقیدے کے ذریعے اطمینان اور عافیت کا سہارا پکڑتے ہیں۔

تفریق شیعیت کے حوالے سے اہل بیت کی قیادت کا یہ معاملہ اولاد جعفر صادق میں صرف عبداللہ افطح، اسمٰعیل اور جناب موسیٰ کاظم سے وابستہ نہیں رہا بلکہ اس دعوے نے آگے چل کر ان کی آئندہ نسلوں میں بھی سر اٹھایا۔ امام عسکری کے بعد پیدا ہونے والے فرقوں کی تعداد "فرق الشیعہ" میں نوبختی نے ۱۲ (بارہ)، مسعودی نے "مروج الذہب" میں ۱۴ (چودہ) تک

بتلائی ہے۔ حضرت جواد تقی، حضرت علی نقی کے بعد موسی بن تقی اور جعفر بن نقی کا طرز عمل بھی شیعی نقطہ نظر سے قابل اعتراض رہا۔ جناب جعفر اور ان کے طرفداروں نے اپنے دعوی امامت کو ایک نئی شکل دی۔ امام حسن عسکری کے بعد ان کی حیات، موت اور غیبت کے معاملات پر بھی لوگوں کے نظریات اختلافات کا شکار رہے چنانچہ "واقفیہ العسکریہ" اور "الواقفہ لا ادریہ" دو فرقوں کا وجود ملتا ہے۔ انہی کے شانہ بشانہ "نفیسیہ" ہیں جن کے خیال میں امامت جعفر بن علی کا حق ہے۔

واقفیہ العسکریہ : الواقفہ لا ادریہ :

امام حسن عسکری کی وفات کو بھی بعض لوگوں نے غیبت پر محمول کیا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی امام جب تک اپنا وارث ظاہر نہ چھوڑے، دنیا سے رخصت نہیں ہوتا اور امام حسن عسکری کی زندگی میں کوئی بیٹا ظاہر نہیں تھا اور نہ کسی نے اسے دیکھا تھا اس لئے امام حسن عسکری نے وفات نہیں پائی وہ محض غیبت میں ہیں۔ ان لوگوں میں جنہوں نے امام حسن عسکری پر امامت کا وقف (Stop) لگایا، بعض ایسے بھی تھے جن کے خیال میں یہ بات واضح نہیں تھی کہ امام کا بیٹا امام ہوگا۔ (جن کے بیٹے (مہدی) کو لوگوں نے بعد میں دیکھا) یا امام کے بھائی جعفر، یہ لوگ الواقفہ لا ادریہ کہلائے۔

نفیسیہ یعنی ادعائے امامت جعفربن علی :

جعفربن علی (امام محمد نقی کے فرزند) نے بھی ادعائے امامت کیا۔ ان کی زندگی افراد اہل بیت سے قطعی مختلف' بلکہ متضاد تھی۔ یہ معتمد باللہ عباسی (۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ) کے ندیموں میں بھی تھے' شہادت حضرت حسن عسکری کے بعد اس کے پاس آئے اور کہا کہ اگر تو میری امارت کو تسلیم اور میری امامت کی تائید کرے تو میں بیس ہزار دینار سالانہ اپنی آمدن (صدقات آل محمد اور خمس) سے تجھے دوں گا۔ معتمد ان کے طور طریق کو بخوبی جانتا تھا' وہ نہ مانا' اور انہیں بے نیل مرام وہاں سے لوٹنا پڑا مگر جعفربن علی تادم اخر امامت سے لادعوی نہیں ہوئے۔ جو مال و متاع باپ اور بھائی کا گھر میں تھا' اپنے تصرف میں کیا' ازواج امام اور کنیزوں کو نظربند کردیا۔ (بحوالہ ارشاد : شیخ مفید)

جعفربن علی کے پیروکاروں کا خیال تھا کہ امام حسن عسکری کے بعد جعفر' ان کے بھائی کو امامت کا حق ہے کیونکہ امامت سابق امام کی رحلت کے وقت سب سے بڑے موجود بیٹے کو جاتی ہے اور امام حسن عسکری کے بیٹا نہ ہونے کے سبب ان ہی معنوں میں امامت' جعفربن علی نقی کی جانب منتقل ہوگی۔ چونکہ حضرت امام حسن عسکری کے فرزند' حضرت قائم آل محمد کو ان (امام حسن عسکری) کی زندگی میں کسی نے نہ دیکھا تھا اور ان کا ہونا بھی محض کچھ وقت کے لئے اس وقت ظاہر ہوا جب وہ اچانک اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے صحن خانہ سے اچانک نکل آئے اور اپنے چچا جعفربن علی کو نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا۔ خیال رہے کہ اس وقت حضرت قائم آل محمد کی عمر کوئی پانچ برس

بتلائی جاتی ہے۔ جناب جعفر کے ماننے والوں نے تقریباً یہ وہی استدلال اختیار کیا جو اس سے پہلے فطحیہ اختیار کر چکے تھے۔ فطحیہ کا کہنا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ کاظم نے حضرت جعفر صادق سے براہ راست امامت نہیں لی بلکہ عبداللہ کی وفات کے بعد ان سے حاصل کی۔ کیونکہ امام جعفر صادق کی زندگی ہی میں پہلے اسمٰعیل نے پھر ان سے چھوٹے عبداللہ نے رحلت کی۔ جناب جعفر کے ان پیروکاروں کو نفیسیہ کہا جاتا ہے۔ نفیس' غلام معتمد تھا' محمد بن نقی کا' محمد بن نقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام علی نقی نے اپنا بڑا بیٹا ہونے کے سبب انہیں اپنی زندگی میں اپنی نیابت عطا کر دی تھی لیکن قدرت نے بداء کے تحت ان کی موت سے اپنے فیصلے کو بدل لیا۔

"بداء" کا اصطلاحی مفہوم ہے' کسی رائے یا ارادے کا بدل جانا۔ پہلی رائے کو بدل کر دوسری رائے یا ارادہ کو ظاہر کرنا۔

شیعہ عقائد میں اس اصطلاح کو فقہی حیثیت حاصل ہے اور اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اصول کافی کلینی میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ خداوند عالم نے اس وقت تک کوئی نبی نہیں مبعوث کیا جب تک کہ اس سے بداء پر اقرار نہ لے لیا گیا۔ امام صادق کے بقول علم دو طرح کا ہے ایک وہ جو خداوند عالم کے پاس ہے اور اس کے لئے مخصوص ہے اور دوسرا وہ جو اس نے اپنے نبیوں' فرشتوں اور رسولوں کے لے مخصوص کیا اور وہ اسی طرح ہو کر رہے گا جیسا کہ بتلا دیا گیا ہے۔ خدا اپنے ان ترجمانوں کو جھوٹا نہیں ہونے دے گا' البتہ جو علم خود اس سے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا اس سے آگاہ بھی نہیں' وہ اس

علم میں جب اور جو چاہے محو کردے۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی اختیار کی گواہی دیتی ہے۔ یحموالله ما یشاء ویثبت (الرعد) حضرت امام حسن عسکری فرماتے ہیں اللہ تعالی نے جو فیصلہ فرمایا اسے نافذ کیا اور جس چیز کا جو اندازہ کیا وہی فیصلہ ٹھہرا۔ پس اللہ تعالی کے علم سے مشیت ظاہر ہوئی اور مشیئت سے ارادہ' ارادے سے تقدیر اور تقدیر سے حکم (قضا) ظاہر ہوا اور اسی حکم کا نتیجہ نفاذ ہے۔

اصول کافی کے لفظ یہ ہیں۔ علم۔ وشاء و اراد وقدر ۔ وقضی و امضی

خدا کو : علم ہوا' اس نے چاہا' ارادہ کیا' پھر اندازہ مقرر کیا' فیصلہ کیا اور پھر اسے نافذ (امضاء) کر دیا۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ کے علم اور ارادے میں ہے اس میں بداء واقع ہو سکتا ہے مگر جب امضاء کے ذریعے قضا واقع ہو جائے تب بداء نہیں ہے۔ جب تک کوئی شے عین حقیقت نہ بن جائے تب تک وہ بداء ہے۔ گویا خداوند عالم اپنے علم کو عین حقیقت بننے سے قبل جس طرح چاہتا ہے پھیر سکتا ہے' یہی سبب ہے کہ بیماری' پریشانی اور تقدیر کے ظاہر معاملات میں ہمیں دعا اور تدبیر کا راستہ دکھلایا گیا ہے۔ اگر بیماری' پریشانی اور تقدیر کا ہر ظاہر معاملہ یونہی رہتا جیسا کہ نظر آتا ہے تب تدبیر یا دعا کی کیا حیثیت رہ جاتی؟ اور اس دعا کے قبول کی امید خدا اپنے بندوں کو کیوں دلاتا؟

اسی بداء کو بطور عقیدہ مختار ثقفی اور کیسانیہ نے جناب محمد ابن حنفیہ کی امامت کے لئے استعمال کیا۔ انہوں نے کہا کہ (از روئے نصوص) امام زین العابدین کی طرف امامت کو منتقل ہونا تھا لیکن وہ چونکہ ظلم و جبر کے خلاف نہیں

اٹھے' محمد ابن حنفیہ نے بنوامیہ کے جبر کی مزاحمت کی اس لئے امامت ان کی طرف منتقل ہو گئی۔ اسی مسئلہ بداء کے تحت واقفہ' جارودیہ' اسمعیلیہ محمد بن علی نقی اور جعفر بن علی نقی کے ماننے والوں نے اپنے اپنے حق میں استدلال امامت کیا۔

مسئلہ بداء کا تعلق مسئلہ تقدیر سے بہت قریب تر ہے۔ حضرت امیر نے بھی نہج البلاغہ میں الہیات کی بحث کرتے ہوئے فرمایا تقدیر کی دو قسمیں ہیں: مقدر اور معلق۔ پہلی قسم اٹل اور یقینی ہے۔ اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔ دوسری قسم اٹل نہیں یعنی مشروط اور معلق ہے۔ اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ خداوند عالم اپنے لکھے ہوئے کو کسی بھی سبب سے کسی وقت بھی بدل سکتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو محمد ابن علی نقی کے پیروکاروں نے اختیار کیا اور کہا کہ امام علی نقی کے بعد امامت محمد بن علی کو دی گئی مگر ان کی وفات سے خداوند عالم نے اپنے اس فیصلے کو بدل لیا کیونکہ وہ امامت کو جعفر ابن علی کی طرف لانا چاہتا تھا۔ محمد بن علی نے اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی اور اپنے والد کی منشاء کے مطابق جعفر بن علی کو امامت تفویض کر دی۔ یہ تحریک محمد بن علی کے ایک نہایت معتمد غلام نفیس نے شروع کی' وہ اس مہم کا سرگرم رکن تھا۔ اس لئے اس کے نام پر اس عقیدے کے گروہ کا نام نفیسیہ رکھا گیا۔ امام حسن عسکری کی شخصیت نہایت پاکیزہ' معتبر اور مثالی تھی اور ان کے حق میں امامت کی تفویض بھی زیادہ موثق تھی' ان کے طرفدار بھی زیادہ تھے اس لئے نفیسیہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ نفیس غلام کو ایک کنویں میں دھکا دے کر مار دیا گیا۔

محمد بن الھادی کے بعض پیروکاروں کا یہ بھی خیال تھا کہ ان پر امامت ختم ہوئی اور وہ غیبت میں چلے گئے۔ انہوں نے محمد بن علی کو القائم المہدی قرار دیا اور ان کی موت سے مسلسل انکار کرتے رہے۔

امامت کے مسئلے پر بہت سے اختلافات کی بنیاد وہ اقتدار تھا جو اشراف سادات کے لئے حکومتوں نے مخصوص کیا۔ بالخصوص بنو عباس' آل بویہہ اور زیدیہ و فاطمیہ حکومتوں نے اس منصب کے لئے بہت سے اعزاز مقرر کر رکھے تھے۔ قطع نظر ان اعزاز و اکرام اور ان نوازشات کے' خمس و زکوہ کی رقوم پر تصرف کا مسئلہ بھی اسی تگ و دو کا سبب تھا لیکن اس ساری مہم میں کبھی کوئی ایک بھی امام جس کا تعلق سلسلہ اثنا عشر سے ہے' شامل نہیں ہوا۔ نہ اس نے اپنے لئے کوئی مہم چلائی' نہ مناظرہ کیا' نہ حکومتوں سے اپنے حق میں فیصلہ لینے کی سعی کی۔ محض اپنی مسند علم و حکمت کے زور پر زہد و تقوی کے ذریعے دلوں پر حکومت کی۔ وقت کے حکمران بھی انہی نفوس قدسیہ کو ان کے مثالی کردار' پاکیزگی' علم و حکمت اور محکم نصوص کی بنیاد پر اپنے اقتدار و حکومت کا اصل حریف سمجھ کر آزار دیتے اور قیدوبند میں مبتلا کرتے رہے یا جن حکمرانوں نے ان اشراف کے خلاف مصلحتاً ظلم و جور کی پالیسی بدل لی تب انہی کو احترامات فائقہ بھی دیتے رہے۔

امامت کے دعویداروں کی یہ شاخیں امامت حقہ کے دور میں سرگرم عمل دکھائی دیتی ہیں۔ القائم المہدی کا مسئلہ اور غیبت کا معاملہ کم و بیش ہر امام کے زمانے میں سر اٹھاتا رہا' ہر دور کے ہر مدعی نے ان احادیث و روایات سے

فائدہ اٹھایا جن میں اولاد فاطمہ و علی سے ایک امام کے غیبت میں جانے اور پھر اس کے قائم المہدی ہو کر دوبارہ دنیا میں آنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ خود وہ افراد جن کے لئے امامت کی مہم چلائی گئی' اپنے معاملے میں ایسے سرگرم نہ تھے جیسا کہ ان کے طرفدار رہے۔ ان لوگوں پر شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں کی مثال صادق آتی ہے۔ یہ سب مہم جو' زمانہ ساز' دنیا کے طلب گار اور حرص و ہوا کے بندے تھے۔ علم بھی ایسا عام نہ تھا' اگر کہیں علم کی کوئی رمق تھی بھی تو وہ صرف معمولی لکھنے پڑھنے کی حد تک تھی۔ علوم عالیہ' جیسے اب متداول و معروف ہیں' اس وقت کے لوگوں میں ایسے عام نہ تھے۔ علم کی اس کمی اور زہد و تقوی سے محرومی کے ان عناصر نے بھی اختلافات کی یہ صورت پیدا کر دی تھی۔

ہمارے نزدیک فرق کی اساس' اصولی اختلافات پر قائم ہوتی ہے۔ امامت' شیعہ اصول مذہب (توحید' عدل' نبوت' امامت' قیامت) کا ایک اہم رکن ہے۔ اس عقیدے سے انحراف فرق کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ امامت کے شیعی نقطہ نظر میں یہ واضح اختلاف اس وقت ہوا جب حضرت امام جعفر صادق نے رحلت کی۔ شیعوں کی اکثریت نے حضرت امام موسی کاظم کو بہ اعتبار نص اپنا امام تسلیم کرلیا۔ ان کے بھائی جناب اسمٰعیل بن جعفر کی امامت پر بھی بعض لوگوں نے اصرار کیا۔ پھر ان کے دوسرے بھائیوں محمد اور عبداللہ افطح کی امامت کا شور بھی اٹھا۔ اس طرح شیعیت عارضی طور پر کئی حصوں میں بٹ گئی لیکن فی الاصل شیعیت کا اطلاق عموماً اسی فرقے پر کیا گیا جسے آج اثنا عشری شیعہ کہا جاتا ہے۔

اثنا عشریہ۔ اصل شیعیت

(بحوالہ عقائد اور مباحث نظری۔
غیبت۔ اولوالباب۔ رد افض۔
شیخیہ۔ خالصیہ وغیرہ)

شیعہ اثنا عشریہ :

شیعیت میں اکثر اختلافات' قیادت اور امامت سے متعلق رہے ہیں۔ انہی اختلافات کے سبب بعض نئے عقائد نے بھی جنم لیا' لیکن ان عقائد کو اثنا عشری عقیدے نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ اثنا عشری شیعہ عقیدے کی رو سے اسلام کی اصل تشریحی صورت وہی ہے جو وصال پیغمبر ﷺ کے بعد حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب سے لے کر بارہویں امامت تک بلا فصل باقی رہی جسے آج کی اصطلاح میں شیعیت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنے تسلسل کے اعتبار سے' حضرت القائم المہدی تک پہنچا۔ ان بارہ اماموں حضرت علی تا حضرت مہدی کے ماننے والا گروہ شیعہ اثنا عشریہ کہلایا۔ بعض متعصب مورخوں نے اثنا عشری عقائد کا تذکرہ سبائیہ یا روافض کہہ کر بھی کیا ہے۔

بحث :

رافضی رافضہ روافض

ملل و نحل کی تاریخ لکھنے والوں نے طنز اور تعریض کے طور پر یہ نام شیعوں کو دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اہل سنت کو ان کے مخالف طبقوں نے بطور طنز نواصب (ناصبی) کہا۔ رفض کے معنی ہیں چھوڑنا' علیحدہ ہو جانا۔ رافضی کے معنی ہیں چھوڑدینے والے۔ مشہور متکلم ابوالحسن الاشعری اپنی کتاب "مقالات الاسلامیین" میں کہتا ہے کہ روافض کی اصطلاح ان لوگوں کے

لئے استعمال ہوئی جنہوں نے خلافت ابوبکر و عمر سے انکار کیا اور انہیں چھوڑ کر حضرت علی کے استحقاق خلافت پر یقین کیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ رفض کی ابتدا' عبداللہ ابن سبا (بعد علویہ) سے ہوئی۔ بعض لوگوں کے اس خیال کو' محض دوسروں کی رائے کے طور پر شیعہ مورخ' ابو جعفر محمد نوبختی نے بھی اپنی کتاب "فرق" میں بیان کیا۔ بعض نے اس نام اور نام کی نسبت سے پیدا ہونے والے فرقے کا ذکر جناب زید بن علی (زیدیہ تحریک انقلاب کے داعی) کے حوالے سے بھی کیا۔ (بحوالہ شیعہ انسائیکلوپیڈیا : انگریزی' حسن الامین بیروت) چونکہ وہ (زید ابن علی ابن الحسین) حضرات ابوبکر و عمر کی خلافت کو حق سمجھتے تھے لہٰذا زید کے کوفی ہم نواؤں نے انہیں چھوڑ دیا۔ تب جناب زید نے کہا : رفضتمونی "تم نے مجھے چھوڑ دیا۔" گویا جناب زید کا ساتھ چھوڑنے والے یہ کوفی رافضی کہلائے۔ کچھ شیعہ اہل علم (مثلاً ابو جعفر طوسی وغیرہ) نے کہا کہ یہ دونوں الفاظ "نواصب) و "روافض" پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے مناقشوں کے درمیان استعمال ہوتے رہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت پر' چونکہ زیادہ لوگوں نے رائے دی لہٰذا انہوں نے کم تعداد لوگوں (جنہوں نے حضرت ابوبکر کے حق خلافت میں ووٹ نہ دیا) کو رفضونا کہا یعنی انہوں نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور ہمیں چھوڑ دیا۔ پھر ان لوگوں نے جنہیں رافضی کہا گیا' حضرت ابوبکر کا انتخاب کرنے والوں سے کہا : تم نے ابوبکر کو بغیر کسی نص (خدا اور رسول کی طرف سے جاری اطلاع خبر' بیان صریحی) کے خلیفہ المسلمین بنا دیا۔ نصبتم بابی بکر بلا نص (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : پنجاب یونیورسٹی حرف (ر))

واضح ہوا کہ رافضی کوئی فرقہ نہیں، تعریض اور طنز کے طور پر یہ محض ایک لفظی ہتھیار ہے جو شیعوں کے مخالفین نے شیعوں کے خلاف استعمال کیا بلکہ شیعوں کے رد کے طور پر اور ان کے ذکر میں جو بعض کتابیں اور تاریخی مقالات لکھے گئے ان کے عنوانات بھی، رد روافض، جیسے تھے۔ علامہ ابن حجر مکی جیسے معقول عالم نے بھی اپنی کتاب کا ایسا ہی نام، صواعق المحرقہ علی اھل الرفض والزندقہ (شیعوں اور زندیقیوں کو جلا کر خاک کر دینے والی بجلیاں) رکھا۔

ثابت ہوا روافض (رافضہ) کسی فرقے اور مسلک کا نام نہیں۔ اہل سنت نے اپنے آپ کو حق پر جانتے ہوئے اور اپنے اس حق پر شیعوں کے تائیدی رویہ اختیار نہ کرنے کی بنا پر احتجاجا انہیں یہ نام دیا جیسا کہ ایک بار جنگ جمل میں بھی یہی ہو چکا تھا۔ جن لوگوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا وہ اپنے آپ کو شیعہ کہتے اور جنہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا انہیں خارجی کہتے تھے۔ (بحوالہ الفہرست ابن ندیم)۔ خارجی کی یہ اصطلاح تولائے علی کے مخالف لوگوں بلکہ بہت وسیع تر معنوں میں حضرات اہل سنت کے لئے بھی طنزا استعمال ہوتی رہی۔ اہل سنت کے ایک معروف صوفی بزرگ حضرت شاہ دلدار علی مذاق میاں (بدایونی) نے بھی اپنے ایک شعر میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ کر دیا ہے :

خروج و رفض سے ہوں پاک، مومن با تولا ہوں
میں سنی بے تعصب ہوں، میں شیعی بے تبرہ ہوں

(دیوان مذاق۔ طبع بدایوں' نظامی پریس)

تاریخ لکھنے والے بعض نا منصف لوگوں نے' رافضی کی یہ اصطلاح بہت عرصے تک شیعوں کے لئے استعمال کی' اور جہاں جہاں فکر شیعیت کی بحث کے ابواب قائم کئے' وہاں اس لفظ کو بہ طور خاص استعمال کیا گیا لیکن یہ بات مسلم نہ ہو سکی۔

اثنا عشری عقائد ماننے والوں کے لئے معروف لفظ "شیعہ" اور عقیدے کے لئے "تشیع" استعمال ہوتا ہے اور فی الاصل شیعیت وہی ہے جس کا اطلاق اثنا عشری عقائد پر مسلمہ طور پر کیا جاتا ہے۔ بقول ابن خلدون (بحوالہ مقدمہ) "سلف سے اب تک لغت عام میں شیعہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے' جو حضرت علی اور اولاد علی کے پیروکار ہونے کا دعوی کرتے ہوں۔" نوبختی کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ انصار کا جنہوں نے سعد بن عبادہ انصاری کی امارت قبول کر لی۔ ایک گروہ مہاجرین کا جس نے حضرت ابوبکر کو امیر منتخب کر لیا اور تیسرا گروہ ان مسلمانوں کا جنہوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنا پیشوا بنایا۔ یہی پیروان علی' شیعہ کہلائے۔ فرق اسلامی کی تاریخ دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ شروع ہی سے (بعد رسول ﷺ) حامیان علی کے لئے' شیعہ کا لفظ استعمال ہوتا رہا۔ خاص در پر شیعان علی اس وقت اور زیادہ نمایاں ہوئے جب جمل اور صفین کے معرکوں نے مسلمانوں کو طرفداران اہل بیت' اور ان کے مخالفین میں واضح طور پر تقسیم کر دیا۔ شیعوں کے لئے اثنا عشری کا لفظ بھی ان معنوں میں عام ہوا کہ

حضرت امام زین العابدین کے بعد امامت میں اختلافات کا عنصر ابھر آیا۔ جناب محمد ابن حنفیہ اور جناب زید ابن زین العابدین نے از خود دعوی امامت نہ بھی کیا ہو' لیکن ان کے پیروکاروں نے انہیں امام ضرور بنا دیا۔ محمد ابن حنفیہ اور جناب زید کے معاملات کے بعد' خاص طور پر اولاد جعفر میں' امامت کے جو دعویدار پیدا ہوئے' پھر اولاد حضرت علی نقی میں' حضرت حسن عسکری کے بعد محمدیہ' جعفریہ' واقفہ العسکریہ' لا اوریہ اور قطیعہ' نفیسیہ (بحوالہ کتاب غیبت : جاسم حسین) جیسے چھوٹے چھوٹے گروہ پیدا ہوئے جن کی عمر چوتھی صدی ہجری سے آگے نہ بڑھ سکی۔ (بحوالہ ارشاد) اور ان سب نے امامت کے بارے میں اپنا اپنا نقطہ نظر وضع کیا۔ حضرت امام حسن عسکری کی گیارہویں امامت کی قطعیت پر بھی سوال پیدا ہوا۔ آیا حضرت حسن عسکری نے غیبت اختیار کی اور وہ دوبارہ ظہور کریں گے؟ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی فرزند چھوڑا؟ کیا انہوں نے اپنے بعد کسی شخص کے لئے واضحا یہ کہا کہ ان کے بعد وہ امام ہو گا؟ کیا ان کا فرزند' جسے محمد کہا گیا' ان کی وفات کے آٹھ ماہ بعد تولد ہوا؟ یا ان کی وفات کے وقت اس کی عمر ۵' ۶ سال تھی' یا یہ کہ واقعی ان کا وجود بھی تھا' کیونکہ جناب نرجس خاتون کے ہاں آثار ولادت کا نمایاں نہ ہونا اور ولادت فرزند کی شہرت عام نہ ہونا بھی ایسے شبہات کو جنم دیتا تھا۔ اس پر مزید یہ کہ گیارہویں امامت کے معتمد وکلاء محمد بن علی الاہوازی (وکیل انہواز) اور مدینے کے آل ابی طالب کا' امام حسن عسکری کے ہاں کوئی فرزند ہونے کا انکار کرنا' (بحوالہ کافی کلینی) یہ سب باتیں اختلاف امامت کا سبب بن گئیں۔ اس اختلاف کو محمد بن علی (فرزند امام علی نقی) اور جعفر

بن علی کے طرفداروں کی طرف سے اور خود ان کی طرف سے امامت کے ادعا نے اور زیادہ بڑھا دیا۔ کسی نے امامت حضرت محمد ابن حنفیہ پر ختم کر دی، کسی نے اولاد زید، کسی نے ان کی اولاد تک آگے بڑھائی، کسی فرقے نے اولاد زید میں، کسی نے اسمٰعیل بن جعفر میں، کسی نے افطح میں یہ امامت منتقل سمجھی۔ اسی طرح تعداد اور تخصیص ائمہ وہ نہ رہ سکی، جس پر آج اثنا عشری شیعیت کا اعتقاد ہے۔

امامت کے ان تمام دعووں کے پس منظر میں اثنا عشری شیعیت کی اصطلاح ایک مخصوص معنوں میں اس فکر مذہب کے لئے استعمال ہونے لگی جو بارہ اماموں کو حضرت علی تا امام مہدی بلا فصل ہادی برحق اور امام امت تسلیم کرتا ہو۔ اثنا عشری عقیدے کی اصل یہ ہے :

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نبی آخر ہیں اور ان کے بعد حضرت علی امت کی ہدایت کے لئے امام اول ہیں۔ چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور تشریحات دینی اور توضیحات مذہب کے لئے یہ ضروری ہے کہ سلسلہ امامت باقی رہے، ان معنوں میں حضرت علی اول جانشین نبی ہیں جس کے آخر، حضرت امام مہدی القائم المنتظر ہیں۔ شیعہ عقیدے کی رو سے نبوت کی طرح امامت کے لئے بھی نص و عصمت شرط ہے۔ نص یہ ہے کہ نبی اور امام نے اپنے بعد ہونے والے امام کے بارے میں صاف طور پر جانشینی کا اعلان کیا ہو لہٰذا امامت کا عقیدہ تقریباً تمام ہی شیعہ فرقوں میں بہ اعتبار نص تسلیم کیا جاتا ہے اور عصمت یہ ہے کہ نبی و امام نے ابتدائے زندگی سے انتہا تک کبھی خطا اور لغزش نہ کی ہو، گناہ کا صدور اس سے نہ ہوتا ہو۔ قرآن مجید کے بارے میں بھی تمام اسلامی فرقوں کی

طرح شیعوں کا یہ واضح عقیدہ ہے کہ یہ مکمل ہدایت ہے۔ اس میں کسی طرح کی تحریف' حذف' اضافہ اور ترمیم نہیں ہے۔ (رسالہ اعتقادیہ : شیخ صدوق ص ۵۱) شیعوں کے عالم اجل اور فقیہہ کبیر' شیخ صدوق (۳۸۱ھ) فرماتے ہیں : وہ قرآن مجید جو حق سبحانہ نے حضرت ختمی مرتبت پر نازل فرمایا' یہ وہی ہے جو بین الدفتین (مجلد و منضبط) ہے' نہ اس سے کچھ کم ہے' نہ زیادہ' یہ ہر طرح کے اضافے اور ترمیم سے محفوظ ہے۔ یہ وہی ہے جو عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ (رسالہ شیخ صدوق "اعتقادیہ" اردو ترجمہ لکھنؤ)

جہاں تک اصول و فروع دین کا تعلق ہے' اثنا عشری عقیدے میں توحید' عدل' نبوت' امامت اور قیامت پر ایمان لانے کو اصول دین قرار دیا گیا ہے۔ فروع میں' جو فی الحقیقت عقیدے کی بنیاد پر ادا ہونے والے اعمال ہیں' نماز' روزہ' حج' زکوہ' خمس' جہاد کو فرض کہا گیا ہے۔ کلمہ توحید و رسالت بھی یہی ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ البتہ ولایت علی کا اقرار محض استحباب کی حد تک ہے۔ شیعوں نے امامت کو ہرچند کہ اصول دین میں شمار کیا ہے' مگر امامت اثنا عشر کے انکار کو کفر سے تعبیر نہیں کیا' جبکہ اصول کو ایسے واجب کی حیثیت حاصل ہے جس کے انکار پر کفرلازم آتا ہے مگر بقول علامہ محسن الامین عاملی' امامت کا منکر اسلام سے خارج نہیں۔ اس پر اسلام کے تمام احکام جاری ہوں گے۔ (اعیان الشیعہ جلد ۱ ص ۹۷)' البتہ اہل سنت و الجماعت سے بعض معمولی فقہی اختلافات ضرور ہیں۔ مثلاً شیعہ عقیدے کی رو سے خمس وہ مال غنیمت' نفع تجارت اور سالانہ بچت میں سے پانچواں حصہ خدا و رسول و امام و

سادات کا ہے' جبکہ اہل سنت میں ایسا نہیں ہے۔ شیعہ عقیدے میں جہاد بغیر شرعی اجازت کے ممکن نہیں۔ تولا اور تبرہ بھی بعض علماء کے نزدیک جزو دین ہے۔ تولا آل محمد ﷺ کی محبت کا اظہار اور تبرہ دشمنان آل محمد سے بیزاری کا اظہار ہے۔

شیعہ عقیدے کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ خداوند عالم کی صفات' اس کی ذات سے علاحدہ نہیں۔ گویا اس کی صفات کو اس کی ذات سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی صفات عین ذات ہیں۔ شیعہ خدا کی رویت کے قائل نہیں' نہ دنیا میں نہ عقبی میں کیونکہ رویت ماننے کا لازمی نتیجہ خدا کو مقید اور محدود ماننا ہوگا۔ گویا جو خدا' کسی ایک مقام پر "ہو" اس کے "ہونے" سے' دوسری جگہ خالی ہوگی۔ (عماد الاسلام : غفران باب "کتاب توحید") اور جو خدا کسی مکان میں مقید ہو' خدا نہیں ہو سکتا۔

جبر و قدر کی بحث میں شیعہ مسلک یہ ہے کہ انسان کو خدا نے فاعل مختار بنایا ہے۔ بلاشبہ اختیار کی یہ قوت' خدا کی عطا کردہ ہے لیکن یہ قوت اسے کسی عمل اور اس کے ترک پر مجبور نہیں کرتی۔ اگر ایسا مان لیا جائے تو جزا و سزا کا اطلاق ممکن نہیں رہتا۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اشاعرہ کے مقابل' معتزلہ کا ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک اچھائی' برائی کے پرکھنے کا معیار عقل نہیں بلکہ شرع جس حکم کو اچھا کہے' وہ اچھا اور جسے برا کہے وہ برا ہے' کیونکہ عدل وہی ہے جو وہ (خدا) کرے۔ اس نظریے کی رو سے خدا' جس کافر کو چاہے جنت میں داخل کرے' جس مومن کو چاہے دوزخ میں ڈالے' لیکن معتزلہ کہتے ہیں ایسا کرنا ظلم ہے۔

خدا ظلم نہیں کر سکتا۔ یہی عقیدہ شیعہ عقیدہ ہے۔ (مقالہ : شیعیت از مرتضیٰ حسین فاضل : دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۵ء حرف (ش))

مذہب شیعہ کے یہ وہ اساسی عقائد ہیں جن پر آج تک اس مسلک کا انطباق ہوتا ہے' جسے اثنا عشری شیعیت کہا جاتا ہے البتہ ہر زمانے میں جہاں جہاں ان معتقدات میں تصرف کیا گیا' یا کمی بیشی' تقصیر یا غلو واقع ہوا' جن کے سبب مقصرین اور غالی کی اصطلاح وضع کی گئی' ہر زمانے کے علماء نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اس سلسلے میں اپنی اصابت رائے پر اصرار کیا۔ جیسا کہ آج کل ہمارے زمانے (بہ حال ۱۹۹۴ء) میں خالصیہ اور شیخیہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔

شیخیہ :

اس فکر کا بانی' شیخ احمد احسائی کو بتایا جاتا ہے۔ (احساء علاقہ نجد ہے)۔ انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں شیخ کے افکار عام ہوئے۔ ۱۸۲۶ء میں مدینے میں وفات پائی۔ یہ زمانہ عبدالوہاب کے عقائد وہابیہ کے تعارف کا زمانہ بھی کہلاتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ عبدالوہاب کے شدت پسندانہ مذہبی خیالات کے خلاف یہ شیعی رد عمل کی تحریک ہے۔ احمد احسائی سے پہلے علامہ شیخ بہائی نے بھی اہل بیت کی نوع کو نور' اور ان کو مفوضہ طور پر بعض امور میں مختار قرار دیا تھا' لیکن ان خیالات میں اس قدر شدت اختیار نہیں کی تھی جیسی کہ احمد احسائی نے کی۔ شیخیہ کا کہنا یہ ہے کہ نبی و امام مافوق البشر ہیں' متصرف کائنات ہیں۔ نبی

و امام کی نوع عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ نبی اور امام سے براہ راست مدد مانگی جا سکتی ہے۔ انہی عقائد کی بناء پر' اس فکر کو مفوضہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ شیخیہ کے مطابق خداوند عالم نے اپنے اختیارات ائمہ اہل بیت اور نبی اکرم ﷺ کو تفویض کر دئے ہیں۔ ان تمام تر خیالات کو بعد میں' احسائی کے شاگرد' کاظم رشتی نے آگے بڑھایا۔ ان عقائد پر چونکہ شیعوں کی عام اکثریت عمل پیرا ہے اس لئے جو شیعہ ان عقائد کو من و عن تسلیم نہیں کرتے وہ ان عقائد والوں کو طنزا شیخیہ اور غالی کہتے ہیں۔ شیخیہ نے اپنے عقائد کو جب تحریر و تقریر کے ذریعے زیادہ زور سے پھیلایا' خاص طور پر جناب محسن الحکیم مجتہد نے اپنی تحریروں کے ذریعے ان عقائد کی صحت کے معاملے میں پرزور استدلال کئے تب "خالصیہ" فکر کو مزید ابھرنے کا موقع ملا۔

خالصیہ :

خالصیہ شیخ محمد کے پیروکار کہلاتے ہیں۔ ۴۵-۱۹۴۰ کے قریب قریب زمانہ میں ان کے خطبات کی شہرت عام ہوئی۔ چونکہ محسن الحکیم کے معاصر تھے اور عراق ان دونوں کی سرزمین تھی۔ یہ کاظمین میں اور جناب محسن الحکیم نجف میں تھے۔ لہٰذا ان دونوں میں مناظرانہ چشمک بھی رہی۔ ہرچند کہ شیخ محمد کاظمین کے رہنے والے تھے۔ نجف میں تعلیم پائی' لیکن ان کے افکار نے قم کے علماء پر اپنا اثر زیادہ ڈالا اور آج کے ایرانی علماء خاص طور پر ان خیالات سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ خالصیہ کا عقیدہ توحید خالص پر مبنی ہے۔ ان کے خیال میں خالق اور

مخلوق میں ایک حد امتیاز ضرور رہنی چاہئے اور یہ کہ امور تکوینیہ میں کسی بشر کو دخل نہیں خواہ وہ امام ہو یا نبی۔

جن عقائد کو خالصی عقائد کہا جاتا ہے وہ یہ ہیں :

علی ولی اللہ کا اعلان (نماز' اذان' کلمے میں) بدعت ہے۔

معجزہ نبی و امام اختیاری نہیں۔

امورِ تکوینیہ اعیان ثابتہ کے مصداق ہیں' آل محمد (ائمہ اہل بیت و نبی اکرم ﷺ) کو ان پر اختیار نہیں۔

آل محمدؐ کو البتہ عصمت کبریٰ حاصل ہے یعنی وہ عصمت جو عام لوگوں کو حاصل نہیں۔

خالصی عقائد یقیناً اس شدت کا رد عمل ہیں جو شیخ احمد احسائی نے اپنے افکار میں پیدا کی۔ شیخ محمد کے خیال میں شیعیت کے اصل افکار یہی ہیں جنہیں وہ پیش کرتے ہیں اور یہی خیالات فی الاصل مذہب اہل بیت ہیں' جو صدر اسلام میں تھے۔ قرآن مجید بھی ان کی صحت کی گواہی دیتا ہے' چنانچہ شیخ محمد نے کاظمین کی اپنی مسجد میں خطبات و مقالات کے ذریعے ان عقائد کو شدومد کے ساتھ بیان کیا اور اپنی مسجد کی اذان میں کلمہ علی ولی اللہ کے الفاظ ادا نہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتوں پر بھی اصرار کیا جنہیں توحید خالص کے زمرے میں شمار کیا جانا چاہئے۔ شیخ محمد کے خیال میں یہ سب باتیں جو شیخیہ نے اختیار کی ہیں' شرک کے دائرے میں آتی ہیں۔ لہٰذا شیخ نے شیعیت میں (بقول ان کے) شرک و بدعت کے خیالات کی تطہیر کا بیڑہ اٹھایا۔ شیخ محمد نے یہ

بھی کہا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا' کلام غیراللہ کے پڑھنے کو ثواب جاننا' مزاروں پر جانا اور براہ راست حاجت طلب کرنا شرک قطعی ہے۔ ان کے خیال میں یہ دعائیں جو طلب حاجات کے لئے پڑھنے کو بتائی جاتی ہیں' ایسے خیالات سے مملو ہیں جو بدعت و شرک ہیں یا اس کے قریب تر ہیں۔ دعائے فرج کو وہ اس لئے رد کرتے ہیں کہ اس میں "یا علی' یا محمد" آپ دونوں ہم بندوں کی مدد کرنے والے ہیں' لکھا ہے۔"

شیخ محمد کو خالص انہی معنوں میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مذہب شیعہ کو ایسے عقائد و افکار اور اعمال سے پاک کرنے کی کوشش کی جو حقیقتاً مذہب شیعہ کی اصل میں نہ تھے۔ مذہب میں اضافی' ترمیمی اور الحاقی باتوں سے انہوں نے لوگوں کو روکا' اس لئے انہیں خالصی کہا جانے لگا' لیکن شیخیہ نے انہیں مقصرین کا لقب دیا۔

یہ احکامات و عقائد کی تشریح و تعبیر سے پیدا ہونے والے دبستان فکر ہیں۔ انہیں فرقہ نہیں کہا جا سکتا۔ "فرقے" کے لئے جسے آج کی شرعی اصطلاحات میں مذہب سے موسوم کیا جاتا ہے' لازم ہے کہ اس کی فقہ مختلف ہو اور اس کے علمی مراجع (Source Person) بھی معاملات شریعت میں جو سند آخر کی حیثیت رکھتے ہوں اور ہوں۔

لہٰذا یہ شیخیہ اور خالصیہ کی بحثیں' مسلمات مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اور نہ جمہور مذہب کو' ایسی بحثوں کی کوئی خبر ہے۔ یہ مقالوں یا کتابوں کی حد تک اظہار رائے کا معاملہ ہے' بلاشبہ اس اظہار میں کہیں کہیں شدت اور

نفرت کا شائبہ بھی دکھائی دیتا ہے' مگر شیعیت کے بنیادی معتقدات کے سہارے ہی یہ سب بحثیں جاری و ساری ہیں۔ مذہب کے محوری عقائد سے ان اختلافات کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ اس بات پر سب کا کامل اتفاق ہے کہ خلافت علویہ' بلا فصل ہے۔ ائمہ اہل بیت (بعد رسول ﷺ) ہدایت کا اصل سرچشمہ ہیں اور یہ کہ اسلام کی درست تشریح و تعبیر وہی ہے جو ائمہ اثنا عشر نے فرمائی ہے۔

اثنا عشریہ عقیدہ میں بارہ امام یہ ہیں :

۱۔ حضرت علی ابن ابی طالب ۲۔ حضرت حسن ابن علی

۳۔ حضرت حسین ابن علی ۴۔ حضرت علی ابن الحسین

(زین العابدین)

۵۔ حضرت محمد باقر ۶۔ حضرت جعفر صادق

۷۔ حضرت موسی کاظم ۸۔ حضرت علی رضا

۹۔ حضرت محمد تقی ۱۰۔ حضرت علی النقی الہادی

۱۱۔ حضرت حسن عسکری ۱۲۔ حضرت محمد مہدی المنتظر القائم

یہ بارہویں امام' غائب ہیں۔ انہوں نے دو غیبتیں اختیار کیں۔ ایک صغری اور دوسری کبری۔ شیعہ اثنا عشری عقیدے کی رو سے امام مہدی کو نائب ماننا ضروری ہے۔ غیبت کا یہ مسئلہ موجود شیعیت کا ایک اہم ترین عقیدہ ہے۔ اس پر یقین نہ رکھنے والے کو اصولی شیعہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اس موضوع پر' ۲۶۰ھ سے قبل' شیعہ علماء نے بہت سے مقالات لکھے۔ ان کی تعداد اربعہ مأۃ (۴۰۰) بتلائی جاتی ہے۔ ان سب کتابوں میں' اولاد

فاطمہ و علی سے' نسبت رکھنے والے ایک امام کی غیبت کا ذکر ملتا ہے مگر نام کا تعین اور کوئی واضح نشانیاں موجود نہیں' اس لئے اس ابہام سے تمام شیعہ فرقوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنے اپنے سلسلہ امامت کے افراد پر غیبت کا انطباق کیا۔ اس موضوع پر چند اہم کتابیں یہ ہیں :

(۱) ابراہیم بن صالح الکوفی کی کتاب "غیبت"

ابراہیم حضرت امام باقر کا صحابی ہے۔ ۱۱۴ھ میں اس کا ہونا ثابت ہے۔ واقفہ نے اس کی کتاب سے فائدہ اٹھایا۔

(۲) علی بن الحسن کی کتاب غیبت (الغیبہ)

یہ شخص امام موسی کاظم کا معتمد تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں ثابت کیا کہ امام غائب حضرت موسی کاظم ہیں۔ ابن سلمہ واقفیہ (واقفہ) عقائد کے مبلغ نے علی بن الحسن کی اس کتاب کو بہت شہرت دی۔ ابن سلمہ ۲۶۳ھ کے قریب تر زندہ تھا۔ ابن سلمہ کی کتاب "غیبت" ہے۔ اس کتاب سے شیخ محمد یعقوب نے بھی استفادہ کیا۔

ابوسعید عباد ۲۵۰ھ کی کتاب بھی ان کتابوں میں حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا نام "کتاب ابوسعید" کہلاتا ہے۔ چونکہ ابو عباد' الجارودیہ عقائد کا تھا' اس لئے اس نے زیدیہ فکر کے مطابق زید کو امام غائب کہا ہے۔

سلیم بن قیس ۸۰ھ کی کتاب بھی اس موضوع پر ہے۔ محبوب السراد (س ر + ر ا د) ۲۴۰ھ نے بھی "کتاب الغیبہ" لکھی۔ الاھوازی کی کتاب "کتاب القائم" بھی اس موضوع پر ہے۔ یہ شخص حضرت جواد تقی کا صحابی ہے۔ اہواز

میں آپ کا وکیل بھی تھا۔ یہ وہی اہوازی ہے جس کے بیٹے محمد اور ابراہیم بھی گیارہویں امامت کے لئے اہواز میں وکیل رہے۔ شیخ یعقوب اور شیخ صدوق ۳۸۰ھ نے ان دونوں (محمد و ابراہیم) سے غیبت کے معاملے میں بہت سے استنباط کئے۔ الفضل بن شاذان ۲۶۰ھ کی کتاب "غیبت" بھی شہرت رکھتی ہے۔ مسئلہ غیبت میں بعد کے علماء نے اس سے بہت استفادہ کیا۔

طبری (۳۱۰ھ) بھی زمانہ غیبت کا شخص ہے۔ ہرچند کہ اس نے اپنی تاریخ میں مسئلہ غیبت پر کوئی خاص بات نہیں لکھی البتہ جب وہ قرامطہ اور اسمعیلیہ فرقوں کی ریاستوں کے قیام کی بات کرتا ہے تو ان روایتوں کا تذکرہ کرتا ہے جن میں امامت قائم کا حوالہ ہے۔

المسعودی (۳۴۶ھ) زمانہ غیبت کا قریب تر مورخ ہے۔ وہ بھی "مروج الذہب" میں "غیبت مہدی" پر معمولی اشارے کرتا ہے۔

امام مہدی کی ولادت' غیبت اور پرورش کا معاملہ ہمیشہ سے ایسا رہا ہے جس پر لوگ عموماً غور کرتے چلے آئے ہیں۔

امام مہدی کی عمر' والد گرامی کی وفات (۲۶۰ھ) کے وقت' تقریباً پانچ یا چھ برس تھی۔ امام مہدی کی ولادت کے بعد ان کے والد نے انہیں کہاں اور کیونکر چھپا کر رکھا' اور ان کی تعلیم و تربیت کس نے کی؟ یہ بات بہت غور طلب رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ امام حسن عسکری کی وفات کے بعد نماز جنازہ کی صفیں جب تیار ہوئیں اور ان کے برادر جعفر بن علی نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا' تب ایک بچہ کوئی پانچ چھ برس کی عمر والا تھا' وہاں پہنچا۔ اس بچے کے بارے میں

کہا جاتا ہے کہ وہ امام مہدی تھے جنہیں ان کے باپ نے اب تک لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کے رکھا تھا۔ اس سلسلے میں مشہور مورخ مسعودی کا ایک قول بھی ملتا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ امام حسن عسکری نے اپنی ماں حدیث خاتون سے کہا کہ وہ حج پر جائیں اور اس نومولود کو چھپا کر اپنے ہمراہ لے جائیں۔ جہاں سے وہ مدینے پہنچیں اور نومولود کو وہاں چھپائے رکھا۔ یہی بات امام کے معتمد خاص ابوہاشم الجعفری کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔ ابوہاشم مذکور نے امام حسن عسکری سے پوچھا کہ آپ کے جانشین کو کہاں ڈھونڈیں؟ امام نے فرمایا مدینے میں (الکافی)۔ بعض امامیہ کا خیال ہے کہ امام زمانہ ہر سال حج بیت اللہ کو جاتے ہیں (الکافی) گویا اس بات سے ظاہر ہے کہ امام مکے کے کہیں قریب تر ہی تھے۔ اغلب ہے کہ مدینے میں ہوں گے۔

حضرت امام مہدی کے بارے میں جہاں اور بہت سے امور تفصیل طلب رہے ہیں' وہاں یہ سوال بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے لکھنا پڑھنا کہاں سے اور کس سے سیکھا؟ کیونکہ علم لدنی کا تعلق آئندہ زمانوں کے اخبار و آثار کی اطلاع' گزرے ہوئے واقعات کی خبر' عقل و فراست' حکمت و دانائی سے ہے۔ علم لدنی یا وھبی علم میں لکھنے پڑھنے کو شمار نہیں کیا گیا' لکھنا پڑھنا ہمیشہ سے اکتسابی علم کا حصہ رہا ہے۔

بہرطور یہ کہ حضرت امام مہدی کی "غیبت" کا عقیدہ' شیعیت میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ والد کی وفات کے فوراً بعد ہی آپ نے غیبت اختیار کی جس کی پہلی مدت ۳۲۹ھ تک غیبت صغری کہلاتی ہے۔ ۳۲۹ھ

کے بعد کا زمانہ غیبت کبری کہلاتا ہے۔ یہ غیبت اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک حکم خداوندی سے امام ظہور نہ فرمائیں اور یہ ظہور اس وقت ہوگا جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ تب امام ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کردیں گے۔

زمانہ غیبت صغری میں امام نے عام لوگوں کی نظر سے حجاب اختیار کیا۔ شیعہ عقیدے کی رو سے آپ نے اس زمانے میں فقط نوابین عصر سے رابطہ رکھا۔ یہ چار حضرات' نائب خاص' نائب امام' اولوالالباب سفیر اور وکلائے اربعہ بھی کہلاتے ہیں۔ ترتیب ان کی یہ ہے :

عثمان بن سعید ۳۰۰ھ (متفق علیہ نہیں۔ قیاسی ہے)

محمد بن عثمان (ابو جعفر) ۳۰۳۔۳۰۵ھ

ابوالقاسم حسین بن روح ۳۲۶ھ

علی بن محمد ۳۲۹ھ

یہ چاروں حضرات' امام حسن عسکری اور امام الہادی علی نقی کے معتمدوں میں شمار ہوتے تھے۔ عثمان بن سعید' امام حسن عسکری کے وکیل بھی رہ چکے تھے۔ ان کا بیٹا محمد ابن عثمان نہایت زیرک اور لائق تھا۔ ابوالقاسم ابن روح اور علی بن محمد امام حسن عسکری کے بااعتماد محبوں میں شمار ہوتے تھے۔

ان چاروں نے اپنے اپنے زمانے میں شیعیت کے تمام سیاسی' مذہبی اور مالی امور کی نگرانی کی۔ خمس' زکوہ اور صدقات کو نہایت منظم طریقے پر جمع کیا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ رشد و ہدایت اور نیابت کے معاملے میں اس عدد

(۴) کا تصور نیابت رسول کے واقعات میں بھی ملتا ہے۔ امام مہدی کے نائب' یہ چاروں حضرات دراصل اس تنظیم سری کا حصہ ہیں جو آل محمد نے بنو عباس کے قہر و غضب اور ظلم و ستم کا مقابلہ کرنے کے لئے شروع کی۔ شیعہ مورخین نے ان حضرات کی اس جدوجہد کو تنظیم کہا ہے' مگر دیگر مورخین (مثلاً نوبختی وغیرہ) نے اس منصب کو ایک تحریک سے تعبیر کیا ہے' کیونکہ یہ چاروں ہم عصر ہیں' ایک ہی مبداء فیض سے وابستہ ہیں' نیابت امام کے اس بزرگ ترین منصب پر اپنی تقرری کی اطلاع کا ذریعہ بھی خود یہی ہیں۔ اولاد فاطمہ و علی سے بھی نہیں۔ ان میں سے دو کے بارے میں کہا گیا کہ وہ خانہ امامت کی خدمت گزاری پر مامور تھے۔ بعد میں صدقات و خیرات کی شرعی رقوم جمع کرنے پر بطور وکیل مقرر ہوئے۔ ان کا اس منصب جلیلہ پر فائز ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ائمہ ہدی کی نیابت اور قائم المہدی جیسی حجت خدا کی ولایت کا معاملہ تھا اس کے لئے ایک بڑے اعتبار علم' معیار تقوی اور اوصاف حمیدہ کی ضرورت تھی۔ بعض لوگوں نے اس صورت حال کو تردد کی نظر سے دیکھا' خاص طور پر اس وقت یہ تردد اور زیادہ ہوا جب پہلے نائب نے اپنی نیابت اپنے بیٹے کے سپرد کر دی۔

تنظیم السری "الوکالتہ" : (اَس + س ر + ری)

حضرت امام جعفر صادق کا زمانہ' عباسی عہد کا بالکل اول زمانہ ہے۔ چونکہ عباسیہ نے بنوہاشم (آل محمدؐ) کے نام پر اقتدار حاصل کیا تھا اس لئے وہ اقتدار میں آنے کے بعد آل محمدؐ کو اپنا حریف سمجھنے لگے تھے۔ کبھی بہت قریب کرکے (جیسا کہ مامون نے رشتے دئے) کبھی تدبیر سے (جیسا کہ حضرت امام رضا

کو ولی عہد بنایا گیا) کبھی قید و بند کی سختیوں سے (جیسا کہ امام موسیٰ کاظم کو قید کیا گیا) آل علی و فاطمہ پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس کے جواب میں آل علی نے بھی بعض ایسی تدبیریں کیں جو ان کے تحفظ کے لئے ضروری تھیں۔ بنو عباس کی آل محمدؐ اور ان کے طرفداروں پر سخت نظر تھی۔ حکومت جہاں کہیں انہیں منظم ہوتے دیکھ پاتی' یا ان کے اجتماعات اور باہم ملاقاتوں کی خبر حاصل کرتی' انہیں فوراً گرفت میں لے لیتی۔ حکومت نے اپنے جاسوسوں کا جگہ جگہ جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے باوجود شیعان علی اپنے مرکز (امامت) سے وابستگی کو بہرطور قائم رکھتے۔ معلی بن خنیس (خ ن ے + س) ۱۳۳ھ کا واقعہ اس سلسلے میں یہاں بیان کرنا نہایت موزوں ہوگا۔ ہوا یوں کہ عبداللہ ابن عباس کا پوتا داؤد بن علی' منصور کی طرف سے مدینے کا حاکم مقرر ہوا۔ اسے خبر ملی کہ جعفر صادق کے گھر میں شیعوں کا اجتماع ہوتا ہے اور گاہے گاہے وہ ادھر ادھر سے آکر' امام سے ہدایات لیتے ہیں۔ منصور نے داؤد سے کہا کہ ایسے لوگوں کی فہرست فراہم کی جائے۔ داؤد بن علی نے معلی بن خنیس کو گرفتار کر لیا' ان پر ان سرگرمیوں میں زیادہ متحرک ہونے کا شبہ تھا۔ معلی کو قید کر کے ان پر سخت ایذاء رسانی کی اور پوچھا کہ کون کون لوگ جعفر کے گھر آتے ہیں۔ معلی نے ان کے نام ہرگز نہ بتائے' جب انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے قتل ہونا گوارہ کر لیا اور کہا اگر میرے پیروں کے نیچے بھی کوئی شیعہ چھپا ہو تو میں اس کی خبر تجھے نہ دوں۔

یہی وہ صورت حال تھی جس سے مجبور ہو کر امام جعفر صادق نے

شیعوں کے مابین ایک خفیہ رابطے کی مہم شروع کی۔

یہ تنظیم السری' ایسا نظام وکالت تھا' جس کی خبر خود ان وکیلوں کو بھی نہ تھی۔ یہ لوگ عطایا' خمس' زکوٰۃ اور دیگر شرعی رقوم کو امام کی طرف سے وصول کرتے اور اس رقم کو شیعوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کیا جاتا۔ یہ کام کس قدر منظم طور پر سرانجام پاتا تھا' بقول محقق طوسی خود امام جعفر صادق کے وکیل نصر بن قابوس' تقریباً بیس برس یہ وکالت کرتے رہے' انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے سوا کچھ اور لوگ بھی اس ذمہ داری کو نبھا رہے ہیں۔

عبدالرحمان الحجاج' اس نظام وکالت کا سربراہ تھا۔ امام کی تمام تر ہدایات اسی کے ذریعے باقی وکلاء کو دی جاتیں۔ بغداد میں اس کا مستقل قیام تھا۔ ایام حج میں یہ سب باہم ملاقات کرکے اور نئی ہدایات کے ساتھ سرگرم ہوتے۔ حیان السراج (س ر + ر ا ج) کوفے میں' محمد بن ابی عمیر (ع + م ے ر) بغداد میں' یونس بن یعقوب بجلی (ب ج ل) مدینے میں' عثمان بن عیسیٰ الرواسی (ر و + و ا س ی) مصر میں ذمہ داریاں نبھاتے تھے۔ پھر یہی لوگ حضرت موسیٰ کاظم کے وکیل بھی مقرر ہوئے۔ یہ لوگ شیعوں کو منظم کرتے اور حکومت وقت کے قہر و غضب کا شکار ہونے والوں کو حوصلہ دلاتے' ان کی تالیف قلب کرتے' لیکن امام موسیٰ کاظم کا زمانہ امامت ان وکیلوں پر بہت بھاری ہوا۔ رشید عباسی نے ان سب پر سختیاں شروع کر دیں۔ بغداد کے وکیل محمد بن ابی عمیر کو قید کر لیا اور وہی سلوک جو داؤد بن علی نے معلی بن خنیس کے ساتھ کیا تھا' عمیر کے ساتھ بھی وہی کیا۔ انہوں نے بھی رشید عباسی کو سرگرم شیعوں کی فہرست فراہم نہیں کی

اور نہ اس منصوبہ بندی کی کوئی خبر دی جو ساتویں امام نے اس وقت کے شیعوں کو منظم کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ ابن عمیر پر سختی کرنے کے لئے حاکم نے اس کی بہن کو بھی گرفتار کر لیا اور چار برس وہ اس قید میں رہی۔ پھر ایک اور شیعہ اسمٰعیل بن سلام کو قید کر لیا گیا۔ علی بن یقطین' امام کے بہت قریبی معتمد کو بھی گرفتار کر لیا گیا' بلکہ ایک وقت آیا کہ خود امام موسی کاظم کو بھی پابند سلاسل کر دیا گیا۔ رشید کے بعد امین' مامون نے بھی اہل بیت کے خلاف یہی وطیرہ اختیار کئے رکھا۔ مامون کے بعد متوکل اور معتمد نے بھی اہل بیت اور ان کے شیعوں پر سخت مظالم روا رکھے۔ نامور شیعہ چن چن کر قتل کئے جانے لگے۔ ان کے اموال ضبط کئے گئے' انہیں قید کیا گیا۔ یہ سب حالات ایسے تھے جن میں محبان آل محمد کا آسانی سے زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے ائمہ اہل بیت نے اپنے مسلک کی حفاظت اور دین حقہ کے دفاع کے لئے خاموش مگر متحرک اور نہایت موثر تدبیریں کیں۔ امام حسن عسکری نے اپنے فرزند کو بھی اسی لئے چھپائے رکھا کہ فرعون کے سپاہی' جس طرح بنی اسرائیل کے درپے ہو کر موسی علیہ السلام کی تلاش میں سرگرداں تھے' بنو عباس بھی' اولاد حسن عسکری کو ختم کر کے' شیعوں کے مرکز عقیدت کا زور توڑنا چاہتے تھے۔ امام موصوف نے اپنے اجداد کے آغاز کردہ نظام وکالت کو اور زیادہ مضبوط کر دیا' یہاں تک کہ وکلائے امام کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی۔ امام القائم المہدی نے بھی جب غیبت صغری اختیار کی' یہ نظام اسی طرح برقرار تھا' البتہ جناب مہدی' امام القائم کے زمانے میں سے ایک نئی صورت دے کر وکلاء اربعہ تک محدود کر دیا گیا۔

اس نظام کی جو تفصیلات اور احکامات اب تک میسر آئے ہیں ان سب کا ذریعہ خود یہی ارباب اربعہ ہیں اور یہی اس کے راوی ہیں۔ نائب آخر علی بن محمد نے جو حکم لوگوں تک پہنچایا' اس کا ذریعہ بھی خود انہی (علی بن محمد) کی ذات گرامی ہے۔ اس توقیع (حکم) میں کہا گیا ہے کہ علی بن محمد کے بعد اب کوئی نائب امام نہیں ہوگا۔ امام نے غیبت کبری اختیار کرلی ہے۔

الطوسی حسن بن محمد کی کتاب "الغیبتہ" میں اس زمانے کے ان تمام واقعات کی تفصیل ملتی ہے' یا پھر احمد بن نوح کی کتاب "اخبار الوکالتہ الاربعہ" (بحوالہ الفہرست طوسی) میں یہ واقعات مل جاتے ہیں لیکن نہایت افسوس یہ ہے کہ ان اصحاب اربعہ کے تفصیلی حالات' سن پیدائش' سن وفات' شخصی کوائف تعلیمات اور دیگر اہم امور کی بابت کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

پہلے نائب امام :

ابو عمر عثمان بن سعید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بنو اسد کے قبیلے سے تھے۔ ان کے دادا عمر بن حریث (ح ری ث) العمری الکوفی مشہور شیعہ تھے' لیکن اس کے سوا کوئی حالات ان کے ایسے نہیں ملتے جن کے ذریعے ہم اندازہ کر سکیں کہ زندگی کے باقی معاملات میں ان کا طرز عمل کیا تھا۔ کہا جاتا ہے نویں امام حضرت جواد تقی کے گھر' اپنی عمر کے گیارہویں برس میں بطور خدمت گزار آئے تھے۔ پھر ان کے دربان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ خانہ جولو میں انہوں نے اپنا اعتماد پیدا کرلیا اور امام علی نقی کے بھی بہت قریب ہو گئے۔ جب حکومت وقت نے حضرت امام علی نقی پر عرصہ حیات تنگ کیا اور ان سے لوگوں کے ملنے

جلنے پر پابندیاں سخت کر دیں تب یہی ایک فرد واحد تھے جو مومنین اور امام کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنے' بلکہ شیعوں سے یہ کہا گیا کہ جو کچھ عثمان بن سعید کہتے ہیں اسے میرا کہا ہوا جانو' (الطوسی : کتاب الغیبہ) امام علی نقی کے آخری گیارہ بارہ برسوں میں مکمل طور پر امامت کے ترجمان یہی رہے اور پورے عراق و عجم میں شیعوں پر امام کی طرف سے انہی کا حکم چلتا تھا۔ وکالت کے تمام معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علی بن عمرو' امام کا ایک وکیل قزوین سے جب سامرہ آیا تو اسے معلوم نہ تھا کہ امام نے فارس بن حاتم کو ۲۵۰ھ میں وکالت سے معطل کر دیا ہے۔ وہ قزوین سے اپنے ہمراہ لائی ہوئی خمس کی ایک بڑی رقم فارس کے حوالے کرنے والا تھا کہ عثمان بن سعید نے علی بن عمرو کو یہ رقم فارس کے حوالے کرنے سے روک لیا۔

زمانہ حضرت حسن عسکری میں بھی عثمان بن سعید اسی حیثیت و اہمیت کے ساتھ رہے' البتہ یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ امام حسن عسکری نے ازخود بہت کم لوگوں کو یہ بات بتلائی کہ عثمان بن سعید ان کے وکیل ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق اتنا ضرور ملتا ہے کہ جب امام حسن عسکری زندگی کے آخری ایام میں بہت علیل ہوئے تو عثمان بن سعید نے بڑی خدمت کی۔ اس موقعے پر امام کے اپنے اقرباء اور اعزہ کا اس قدر تذکرہ نہیں ملتا جس قدر عثمان بن سعید کی خدمت گزاریوں کا پتا چلتا ہے' بلکہ اسی موقع پر امام کا یہ قول بھی ملتا ہے کہ میرے بعد غیبت مہدی کے دوران' تم (شیعہ) عثمان بن سعید کی پیروی کرنا۔ (الطوسی : الغیبہ) نجاشی اور الطوسی کے بقول' امام حسن عسکری کے لحات

آخر، غسل میت، تجہیز و تکفین کے تمام مراحل بھی عثمان بن سعید ہی نے سرانجام دئے۔

فی الاصل یہ امام زمانہ کی نیابت تھی۔ عثمان بن سعید خاندان اہل بیت سے نہ تھے۔ باقی اولاد علی کی نگاہ میں ان کا یہ رتبہ یقیناً زیادہ پسندیدہ نہ ہوگا' شاید اسی سبب سے موسیٰ اور جعفر بن علی کی مخالفت بھی ان کے باب میں ملتی ہے۔ امام عصر کی نیابت اگر ان تک ہی محدود رہتی تو شاید یہ موضوع ایسی گرمی بحث اختیار نہ کرتا' مگر ان کے بعد جب ان کے بیٹے نے نیابت امام کا یہ منصب سنبھال لیا تو بعض لوگوں میں بے چینی اور بڑھ گئی۔ کئی ممتاز امامیہ احمد بن ہلال' الحسن بن نضر' ابوالصدام وغیرہ نے ان کی نیابت پر شک کا اظہار بھی کیا۔ ان سے معجزات طلب کئے اور خمس کی رقوم دینے میں بھی تامل سے کام لیا (الکافی)۔ یہ صورت حال اس لئے اور بھی کشیدگی کا باعث بن گئی' کیونکہ بعض شیعوں کے خیال میں غیبت کی مدت لامحدود تھی اس لئے سفارت' وکالت اور نیابت امام کا یہ معاملہ خاص لوگوں تک مخصوص ہو جانے سے وہ وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ عثمان بن سعید کی موت کے بعد فوراً ان کے بیٹے محمد بن عثمان نے امام زمانہ کی نیابت کا منصب سنبھال لیا' تب تو بعض لوگوں میں اور زیادہ بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں۔ امام کے ایک مشہور وکیل احمد ابن ہلال (متوفی ۲۶۷ھ) نے ابو جعفر محمد بن عثمان کی نیابت کو کبھی نہ مانا۔ امام کے ان نائب اول نے اپنی سرگرمیوں میں سیاسی تدبر کو بھی شامل کر لیا اور زیر زمین یہ سرگرمیاں باقاعدہ بڑے مربوط اور منظم انداز میں کی جانے لگیں' چنانچہ انہوں نے سیاسی تدبر کا سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ

سامرہ سے اپنی رہائش بغداد کے علاقے "کرخ" میں منتقل کرلی' کرخ بغداد کے شیعوں کی کثیر آبادی والا محلہ تھا۔ سامرہ عباسی حکومت کی فوجی چھاؤنی تھی اور مایت حساس جگہ ہونے کے سبب یہاں آنے جانے والوں اور رہنے بسنے والے وگوں کی خفیہ خبرگیری بھی رکھی جاتی تھی۔ عثمان بن سعید نے اپنے آپ کو زیادہ محفوظ کرنے کے لئے' اپنے نام بھی مختلف رکھ لئے۔ زیات' حفص بن العمری (ع م ر ی) اور سمان کے نام سے خطوط لکھتے اور فرمان جاری کرتے تھے' بلکہ محض دکھاوے کے لئے' تقیئے میں انہوں نے مکھن پنیر کا کاروبار بھی کیا' چھوٹی چھوٹی اونٹ گاڑیوں اور گدھوں کی سواری پر مکھن کے "مٹکے" ادھر سے ادھر لے جاتے اور انہی مٹکوں میں خمس' زکوہ کی رقوم منتقل کرتے تھے۔ مکھن کے اسی کاروبار کے سبب ان کا نام سمان (س م + م ان) پڑ گیا تھا۔

کسی شخص کا کوئی فرضی نام ہونا' یا اصلی نام کے سوا' اس کا دوسرے ناموں سے پہچانا جانا بہت سی خفیہ اور زیر زمین انقلابی سرگرمیوں کی روایت کا حصہ رہا ہے۔ فرضی ناموں' فرضی پیشوں اور حلیوں کی تبدیلی کا عمل استبداد' ظلم اور آمریت کے خلاف چلنے والی اکثر تحریکوں میں نظر آتا ہے۔ امام مہدی کے ان پہلے نائب عثمان بن سعید نے ۳۰۰ھ۔۹۱۴ء میں وفات پائی۔ عثمان بن سعید امام کے پہلے نائب کے یوم وفات کا تعین محض قیاسی ہے۔ غیبت پر لکھنے والے کسی بھی مورخ نے ان کی موت کا تفصیلا ذکر نہیں کیا' البتہ مدفن کا تذکرہ ملتا ہے۔ ابن بارینہ کی روایت کو درست جانتے ہوئے الطوسی نے اپنی کتاب "الغیبہ" میں تسلیم کیا ہے کہ عثمان بن سعید کو بغداد کے مغربی کنارے "درب" کی ایک

مسجد میں دفن کیا گیا۔

دوسرے نائب امام :

نیابت امام کے منصب پر عثمان کے بعد ان کے بیٹے ابو جعفر محمد بن عثمان فائز ہو گئے۔ بہت عرصے یہ روحانی عہدہ ان کے پاس رہا۔ محمد بن عثمان لعمری نام تھا' ابو جعفر کنیت تھی۔ پہلے پہل بارہویں امامت کی وکالت (خمس و زکوہ کا اکٹھا کرنا) کا فریضہ ادا کیا۔ پھر اپنے باپ کے بعد' امام کی نیابت اختیار کی۔

اس نیابت کا معاملہ امام کے لئے چونکہ اختیاری تھا اس لئے پہلے سے کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا اور یوں بھی کہ امامت' شیعیت کے عقیدے میں منصوص من اللہ اور عہدۂ ربانی ہے اور اس کا تعلق عصمت و طہارت مطلق سے ہے اس لئے غیر معصوم کا اس منصب پر فائز ہونا اور اس ربانی منصب کی نیابت کرنا بالکلیہ درست معلوم نہیں ہوتا' لہٰذا امام نے اپنے معتمدین میں جس وقت جس شخص کو اہل سمجھا اپنے اور اپنے ماننے والوں کے درمیان واسطے کے طور پر نامزد کر دیا اور یقیناً یہی وجہ ہوگی کہ غیبت کبریٰ کے وقت اپنا واسطہ منقطع ہو جانے پر' سفارت کو ممنوع قرار دے دیا بلکہ یہ کہا کہ اب جو کوئی میری سفارت کا دعویٰ کرے وہ کاذب اور خائن ہوگا۔

ابو جعفر محمد بن عثمان کو ان کے باپ نے بحکم امام سفارت عطا کی۔ جب ابو جعفر کے والد' عثمان بن سعید نے وفات پائی تو امام نے ایک تعزیتی خط ابو جعفر کے نام لکھا اور ان کے باپ کی جگہ ان کی نامزدگی کی اطلاع بھی دی۔ چونکہ اپنی نامزدگی کی اطلاع خود ابو جعفر محمد نے اپنے ذریعے سے لوگوں تک

پہنچائی' ان کے حریف اس بات کو نہ مانے۔ خاص طور پر شیعہ غالیوں (غلاہ) کے سرکردہ رہنما محمد بن نصیر نے' ابو جعفر کے اس دعوی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ بالکل سی طرح احمد بن ہلال' حسن بن نضیر وغیرہ نے بھی شدید مخالفت کی۔ احمد بن ہلال' ۱۸۰ھ کے قریب' نہروان کے علاقے "عبرتاں" میں پیدا ہوا اور ۲۶۷ھ میں وفات پا گیا۔ احمد مذکور سے بہت سی روایات اسناد کی گئی ہیں۔ یہ ایک مشہور صاحب علم شیعہ تھا۔ اس نے بقول الکشی (ال + ک ش + ش ی) کوئی چون بار حج کیا۔ امام حسن عسکری اور امام علی نقی کے بہت نزدیک رہ چکا تھا۔ یہ امام کی رقوم کا امانت دار بھی تھا۔ پہلی سفارت کے زمانے میں اس کے علم و فضل اور زہد و تقوی کا بہت شہرہ تھا۔ اس کے عارفانہ خیالات اور فکر کی پاکیزگی کو شیعہ علم اصول پر کتابیں لکھنے والوں نے بہت سراہا ہے۔ ۲۰۴ھ کے قریب قریب زمانے میں جو احادیث امام مہدی' القائم اور المنتظر کی غیبت کے بارے میں ائمہ اطہار سے منقول کی گئیں' ان کا ایک راوی یہ بھی ہے۔ اس جیسے زعیم شخص کا' بو جعفر محمد بن عثمان کی نیابت امام پر شبہ کرنا' بلکہ اس سے قطعی انکار کرنا' عامتہ الناس شیعہ کے لئے بڑی الجھن کا باعث بنا۔ الطوسی نے کتاب "غیبہ" میں لکھا کہ یہ شخص بعد میں ناصبی ہوا اور غلوہ میں اس کا شمار ہے' مگر طوسی نے احمد بن ہلال کے اخراج شیعیت کو ابو جعفر محمد بن عثمان کے انکار کا نتیجہ بتلایا ہے۔ فی الحقیقت احمد بن ہلال کے ان عقائد کی کوئی محکم دلیل نہیں دی۔ شیخ الطائفہ علامہ طوسی نے محمد بن حمام (ح م ام) کی ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ احمد بن ہلال سے کسی شخص نے ابو جعفر محمد بن عثمان کی نیابت امام سے انکار

کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ پہلے سفیر کو امام نے اعلان عام کے ذریعے نامزد کیا' لیکن اسے امام نے نامزد نہیں کیا۔ سفارت دوم کی مخالفت میں جن بہت سے نمایاں لوگوں کا نام آتا ہے' ان میں ابن نصیر کا نام بہت آگے ہے۔ وہ کہتا تھا کہ "باب" وہ خود ہے۔ دسویں امام کا اعتماد بھی اسے حاصل رہا' پھر حضرت امام حسن عسکری کا معتمد بھی تھا۔ اس لئے اس نے کہا فی الحقیقت امام غائب کا نمائندہ (باب) وہ ہے۔ یہی وہ اصطلاح تھی' جسے بعد میں چاروں نائبین امام کے لئے بطور اولوالالباب استعمال کیا گیا۔ ابن نصیر کے خیالات کی تائید ابو جعفر محمد بن عثمان کے خلاف' محمد بن موسی بن فرات نے بھی کی۔ موسی بن فرات کوفے اور بغداد کا ایک ذی علم شخص تھا۔ اس سے کچھ احادیث بسلسلہ اسناد روایت کی گئی ہیں۔ ابن نصیر کو ابو جعفر محمد بن عثمان نے شیعیت سے خارج کر دیا لیکن اس نے (باب) (دروازہ امامت) ہونے کے دعوے سے مراجعت نہیں کی۔

"الباب" ہونے کا دعوی نویں امام (محمد تقی) کے عہد سے شروع ہو چکا تھا۔ جعفر بن واقد' ابوالغمر' ہاشم' علی بن حسکا القمی وغیرہ نے گیارہویں امامت تک "الباب" ہونے کا دعوی کیا۔ ان لوگوں نے عام اسلامی رسوم' عبادت کو کم کرکے پیش کیا۔ نماز' روزہ' حج' زکوہ وغیرہ کی اہمیت سے بھی انکار کیا۔ ان کے خیالات "ابی الخطاب" کے افکار سے ملتے جلتے تھے۔ ابی الخطاب چھٹے امام کا ہم زمانہ تھا۔ اسی سے ملتے جلتے خیالات ابن نصیر النمیری اور فرات نے اختیار کئے۔ اس لئے ان کے ماننے والے نمیریہ اور فراتیہ کہلائے۔ ابو جعفر محمد کی بعض سرگرمیوں سے لوگوں کو حیرت بھی ہوئی۔ کسی نے پوچھا اے ابو جعفر ! امام

حسن عسکری نے اپنے پیچھے کسے نائب چھوڑا؟ انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا "اسے" (بحوالہ اصول کافی) (غیبت امام : جاسم حسین) پھر ایک اور مرتبہ غیبت صغری کے دوران کسی شخص نے پوچھا اے ابو جعفر ! نائب عسکری کہاں ہیں؟ ابو جعفر نے کہا وہ ہر سال مکے میں حج کرنے آتے ہیں۔ لوگ انہیں پہچان نہیں سکتے' مگر وہ تمام لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ میں نے انہیں مکے میں نماز پڑھتے بھی دیکھا ہے۔ (بحوالہ کامل ابن اثیر و "غیبت" جاسم حسین) امام حسن عسکری نے اپنے پیچھے کسے بطور امام چھوڑا؟ اس ذیل میں ابو جعفر کے ذو معنی خیالات کی توجیہ یہ کی گئی کہ وہ تحفظ امام کے لئے ایسا کرتے ہیں اور واضحا نہیں بتلاتے کہ "مہدی المنتظر" موجود ہیں' کیونکہ ایسا کرنے سے امام کی جان کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں' لیکن ابو جعفر کی طرف سے امامت کے بارے میں اخفائے حال کرنا اور خانوادہ علی نقی کے بعض ممتاز افراد کا' مہدی کے وجود سے یکسر انکار کرنا' وجود مہدی کے شبہے کو تقویت دیتا تھا' اس لئے مخالفین ابو جعفر نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا۔

ابو جعفر نے ۳۰۴-۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ اپنے ہاتھ سے اپنی قبر اپنی زندگی میں بنائی' اپنے گھر بغداد میں دفن ہوئے۔ الطوسی نے ابو جعفر محمد بن عثمان کی دو تاریخ ہائے وفات لکھی ہیں۔ ایک ۳۰۴ھ اور دوسری ۳۰۵ھ۔ پہلی تاریخ ابو جعفر کے پوتے کے حوالے سے اور دوسری ابن روح کے وکیل غالب الزراری کے حوالے سے۔

تیسری نیابت امام :

القاسم حسین بن روح نوبختی ۳۰۵ھ تا ۳۲۶ھ اس منصب پر فائز رہے۔ دوسرے نائب امام' محمد بن عثمان کا جب وقت وفات آیا تو ان کے اردگرد اصحاب نے ان سے پوچھا کہ آپ کے بعد امام کا نائب کون ہوگا؟ انہوں نے کہا' حسین بن روح کی اطاعت کرنا' وہی نائب امام ہوں گے۔ یہی منشائے امام بھی ہے۔

القاسم حسین بن روح کی تاریخ پیدائش 'ابتدائی حالات اور سیرت کا احوال مورخین پر زیادہ روشن نہیں۔ البتہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وہ امام حسن عسکری کے معتمد لوگوں میں سے تھے۔ وفادار' امین اور صاحب فراست تھے اور ان کے "الباب" میں شامل تھے' لیکن "مناقب" ابن شہر آشوب کی یہ روایت ان معنوں میں قرین عقل معلوم نہیں ہوتی کیونکہ امام حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں رحلت کی اور حسین بن روح نے ۳۲۶ھ میں انتقال کیا۔ زمانہ حسن عسکری میں ابن روح کی عمر ایسی معلوم نہیں ہوتی کہ انہیں امام کے نزدیک ایسی محترم حیثیت حاصل ہو۔

نوبختی ابن روح' قم کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے بغداد آئے اور محمد بن علی کے' جس نے سفیر دوم کی سفارت سے انکار کیا' زیر پرورش رہے۔ ابن روح سفیر دوم کی خدمت میں آگئے۔ بہت رسا شخص تھے' زمانے کے معاملات پر گہری نظر تھی۔ سفیر دوم نے انہیں تیس دینار ماہانہ تنخواہ پر وکالت کے لئے رکھ لیا۔ (غیبت امام : جاسم حسین) یہ بڑی مستعدی سے سفیر دوم کے

معاملات اور اموال کی نگہداشت کرتے اور افسر رابطہ کی حیثیت سے بھی کام کرتے۔ ابو فرات اور غالب الزراری اور نوبختی افراد کے ساتھ انہوں نے اپنے تعلقات مضبوط کر لئے' خاص طور ان نوبختیوں سے جو عباسی حکومت میں ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ ابن روح کے سفارت پر فائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ غیبت امام کے کار سفارت میں ان تعلقات سے فائدہ اٹھا سکیں اور شیعوں کے سماجی عمل کی مضبوطی میں مدد بہم پہنچائیں۔ ہرچند کہ محمد بن فضل موصلی' القطان' جعفر بن احمد اور ان کے دوسرے کوفی طرفداروں نے ابن روح کی سفارت کو اپنی خواہشوں کے برخلاف تسلیم تو کر لیا مگر دل سے ان کے ہمنوا نہیں ہوئے۔ ان کے خیال میں تیسری سفارت کا منصب جعفر بن احمد کا حق تھا' جبکہ ابن روح کے اس منصب پر آنے میں' بنو عباس کے عمائدین' خاص طور پر ابو سہل اسمٰعیل بن علی نوبختی کا سیاسی ہاتھ تھا۔ بغداد اور کوفے کے وکلاء القطان وغیرہ کے خیال میں اس حیثیت کا شیعوں کے اندرونی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر تعین کرنا چاہئے تھا۔

الکشی' نجاشی' حسن طوسی اور کلینی نے سفارت امام کے جو واقعات لکھے ہیں' ان کے مدنظر یہ بات بہ آسانی کہی جا سکتی ہے کہ اس عہدے کے انتخاب کی کوئی واضح بنیاد قائم نہیں تھی۔ امام چونکہ غیبت میں تھے' کسی شخص سے ان کا ملاقات کرنا' ممکن نہ تھا اور یہ کہ جن لوگوں نے کہا کہ وہ امام کے نائب ہیں اور امام سے ملاقات کرتے ہیں' ان کی فراہم کردہ اطلاعات کے مقاصد خود انہی کی طرف لوٹتے تھے۔ مزید یہ کہ ان سفرائے امام کے تقوی' زہد' علم و عبادت

یا خیر کثیر کے کوئی واقعات بھی معروف نہ تھے۔ یہ سب امور محل نظر ہیں۔ محمد بن علی شلمغانی کی ناراضگی کا بھی کچھ یہی سبب تھا' حالانکہ ابن روح دارالنیابت پہنچے اور سفارت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی سب سے پہلے محمد بن شلمغانی (ش ل + م غ ا ن ی) سے ملنے ان کے گھر گئے۔ بغداد کے جن دس وکلائے امام کو اس ساری صورت حال میں اہمیت حاصل تھی اور ابن روح مشورت بھی لیتے تھے' وہ یہ ہیں :

جعفر بن احمد

ابو عبداللہ الکاتب

الحسن الوجنع

محمد بن حمام

اسمٰعیل بن اسحاق

احمد

محمد الاسود

المدنی

شلمغانی

احمد بن ابراہیم

احمد بن ابراہیم دوسرے سفیر محمد بن عثمان کی بیٹی ام کلثوم کا شوہر تھا۔ ان میں سے اکثر دوسری سفارت میں بھی بطور وکیل شامل تھے اور مرکز کے سیاسی' معاشرتی اور تبلیغی معاملات کے مشیر بھی تھے۔ ان میں سب سے زیادہ

موثر شخص شلمغانی تھا جو ۳۱۲ھ تک تیسری نیابت کا رکن رکین رہا' حتی کہ ابن روح نے اسے وکالت اور مشورت کے عہدے سے معطل کر دیا۔ اس پر الزام تھا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو خدا کی تجسیم کے قائل ہیں اور ان کے خیال میں خدا انسان کی سی صورت رکھتا ہے۔ ایسے خیالات مسلمانوں میں بہت عرصے تک رائج رہے' لیکن خدا کی حیثیت' اہمیت اور کیفیت کو اوسط درجے کی عقل جب معلوم کرنا چاہتی تھی تو اسے محسوس طریقے پر خدا کے بارے میں علم و اطلاع بہم پہنچانے کا یہی ایک معروف طریقہ تھا۔ چونکہ وہ قطعی نامعلوم ہے اور معلوم کے ذریعے ہی اس نامعلوم تک پہنچا جا سکتا تھا۔ لیکن شلمغانی اور ابن روح کے یہ اختلافات اس وقت اور زیادہ ہوئے جب شلمغانی نے بغداد کے قبیلہ بنو بستام میں حلولیہ عقائد کی تعلیم و تبلیغ شروع کر دی اور بستام کے عمائدین اسکے پیروکار بن گئے۔ شلمغانی کا پورا نام محمد علی بن ابی العزاقر (ع ز ا + ق ر) تھا۔ وہ قرآن کا قاری' واسط کے علاقے شلمغان کے قصبے میں پیدا ہوا۔ عالم' فقیہ اور مدبر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ حکومت بغداد میں کاتب دفتر کی حیثیت سے ملازم ہوا۔ اخراج شیعیت سے پہلے' شیعوں کے معروف فقیہ' متکلم اور صاحب الرائے لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ جب سے حلولیہ عقائد میں اس نے شدت اختیار کی' شیعوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی' بلکہ ابن روح نے اس کے غالی عقائد پر اس کی سرزنش بھی کی۔ اس کے خیال میں خدا کے خلاف سب سے پہلا القائم احتجاج کرنے والا اور اس کے خلاف کھڑا ہونے والا ابلیس تھا۔ علی ابن طالب (نعوذ باللہ) خدا تھے اور انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی بنا کر دنیا

میں بھیجا جن کی تشریحات دینی ۳۵۰ سال تک ویسی ہی رہیں گی جیسی کہ ان کے زمانے میں تھیں۔ پھر ان میں تبدیلی آئے گی۔ (یہ اشارہ خود شلمغانی نے اپنے خیلات کی طرف کیا) اور جو اس کے خیالات نہیں مانے گا' جنت اسے نہیں ملے گی۔ دوسرے سفیر محمد ابن عثمان کی بیٹی کلثوم کو وہ جناب فاطمہ کی روح کا نیا قالب کہتا تھا۔ اسی طرح وہ سفیر دوم اور سوم میں پیغمبر اسلام اور علی ابن ابی طالب کی روح کا حلول جانتا تھا' (بحوالہ بحار' مندرجہ غیبت : جاسم حسین) اور معلوم کے ذریعے ہی اس نامعلوم تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اصول کافی میں ہے :

ابراہیم بن محمد نے امام رضا سے پوچھا کہ رسول خدا نے شب معراج خدا کو ایک کامل نوجوان کی صورت میں دیکھا' بلکہ مومن طاق تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ ہے ناف تک' اور بقیہ روحانی ہے۔ امام نے فرمایا : اے محمد آگاہ ہو جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی عظمت پر نظر کی تو وہ اس وقت ایک کامل نوجوان کی صورت میں تھا جو تیس سال کا ہو۔ (اصول کافی۔ جلد اول' اردو ترجمہ ظفر حسن ص ۱۶۳) شلمغانی کے یہ خیالات بھی ہشام بن سالم' ابراہیم بن محمد بن الحسن اور مومن الطاق جیسے ہی تھے۔

لیکن شلمغانی اور ابن روح کے یہ اختلافات اس وقت اور زیادہ ہوئے' جب شلمغانی نے بغداد کے قبیلہ بنو بستام میں حلولیہ عقائد کی تعلیم و تبلیغ شروع کر دی اور بستام کے عمائدین اس کے پیروکار بن گئے۔

ابن روح کو شیعوں کی مذہبی حالت سدھارنے کے ساتھ ساتھ ان کی اقتصادی حالت کے بہتر کرنے اور انہیں سیاسی طور پر منظم کرنے کی فکر بھی

تھی۔ وہ مذہبی تعلیمات' عقائد کی تبلیغ اور تشکیل سیرت کی کوششوں میں نہیں لگ سکے' ان کی اور ان کے سوا پہلی اور ان کے بعد کی سفارتوں نے مالی امور کی نگرانی پر زیادہ توجہ دی یا پھر شیعوں کی سیاسی تنظیم کا زیادہ خیال رکھا۔ شیعوں کی سیاسی تنظیم کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ نیابت امام کا مرکز مضبوط کیا جائے اور اگر کبھی حکومت وقت اس کے خلاف تشدد پر اتر آئے تو اس پر اس تنظیم کے ذریعے دباوء ڈالا جا سکے' چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی۔ خلیفہ مقتدر باللہ (۳۱۱ھ) کے زمانے میں حج پر جانے والے ایک قافلے کو قرامطہ نے لوٹ لیا' کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے' زخمی ہونے والوں میں خلیفہ کے کچھ عزیز بھی تھے۔ یہ الزام شیعوں پر آیا' کیونکہ قرامطہ اس وقت شیعوں سے کوئی علیحدہ عقائد کی تحریک نہ تھی۔ عباسی دربار کا شیعہ وزیر ابن فرات خود بھی قرامطہ خیالات کا تھا اور اس ابن فرات کا نام نیابت امام کے بہت سے واقعات میں آتا رہا ہے۔ حج کے قافلے پر حملہ آور ہونے کے اس واقعے پر بغداد کے لوگوں نے سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ ابن فرات اور اس کے بیٹے محسن کو قتل کر دیا گیا۔ ابن روح کو بھی گرفتار کر لیا۔ طوسی نے گرفتاری کا سال (۳۱۲ھ) لکھا ہے۔ وہ پانچ برس مقتدر کی قید میں رہے۔ ۳۱۷ھ میں شیعوں کے دباؤ پر رہائی پائی۔ اس رہائی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ابن روح کے نوبختی عزیز بغداد میں دولت عباسیہ کے اہم عہدوں پر تعینات تھے۔ اسحق بن اسمٰعیل نوبختی' علی عباس نوبختی' حسین بن علی نوبختی وہ لوگ تھے جو ابن روح کے ہمیشہ مددگار ثابت ہوئے بلکہ ابن روح نے دولت عباسیہ سے چوبیس ہزار دینار کی رقم' وزیر علی بن مقتع کے ذریعے طاسین کے لئے حاصل کی۔ اس میں

بھی انہی نوبختی امراء کا ہاتھ تھا۔ ابن روح نے اعلیٰ درجے کے تدبر اور سیاسی حکمت عملی کے ساتھ اپنی مدت نیابت گزاری۔ ۱۸ شعبان ۳۲۶ھ کو انتقال کیا۔ بغداد کے قصبے نوبختیہ میں دفن ہوئے اور اپنے انتقال سے پہلے ابوالحسن علی بن محمد سمری کو نائب امام نامزد کیا۔

چوتھی نیابت :

علی بن محمد سمری (۳۲۶ھ تا ۳۲۹) کو ابن روح نے اپنے انتقال سے پہلے نامزد کر دیا تھا۔ ان کی عرفیت میں سمری (س م ر + ری) (س ے + م اری) کا لفظ' نسبت مکانی ہے۔ بصرے کے قریب سیمار' سمار یا سمر ایک بستی ہے جہاں کے یہ رہنے والے تھے۔ المسعودی نے ان کے حالات لکھے ہیں اور کہا ہے کہ یہ دولت مند خاندان کا فرد تھا اور یہ خاندان اپنی آمدن کا ایک بڑا حصہ حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ ان کے کچھ عزیز' دسویں اور گیارہویں امامت کے دور میں وکیل بھی رہ چکے تھے۔ جعفر بن محمد' جو عباسی دربار کا ایک قابل امیر ہے' ان کا بہنوئی تھا۔ اسی جعفر کے ذریعے' ابوالحسن علی بن محمد نے عباسی امراء تک رسائی حاصل کرلی۔ یہ ابتداء ہی سے اقتدار آل محمدؐ کے خواہاں تھے۔ ان کی تمام تر ہمدردیاں آل محمدؐ کے ساتھ تھیں۔ بقول شیخ یعقوب کلینیؒ ان سے امام (حضرت محمد مہدی القائم) کو بھی رغبت ہو گئی۔ سفارت سوم کے نامزد وکلاء نے بھی ان کی حیثیت سے کبھی انکار نہیں کیا اور تمام مال خمس اور دیگر اموال ان کے حوالے کئے' چونکہ سمری کی مدت نیابت تین سال سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اس مختصر سے دورانیے میں دور دور تک پھیلے

ہوئے وکیلوں سے مکمل رابطہ ممکن نہ تھا۔ اہواز' طبرستان' قم' حجاز' بصرہ' کوفہ جگہ جگہ یہ وکلائے امام پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا فوری یکجا ہونا آسان نہ تھا اس لئے سمری کی سفارتی سرگرمیاں زیادہ نمایاں نہ ہو سکیں۔ ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ کو انہوں نے انتقال کیا۔ خلجانی میں جو بغداد کے مغربی کنارے پر واقع ہے' دفن ہوئے۔

جناب سمری کے انتقال سے کوئی ایک ہفتہ قبل امام کی جانب سے ان کے نام ایک تحریری حکم آیا کہ تم اس کے وصول کے چھٹے دن بعد انتقال کر جاؤ گے اور اپنے بعد کسی کو اپنا نائب نہ بنانا' اب نیابت ختم ہے' کیونکہ غیبت کبری شروع ہوتی ہے' اب صرف اس وقت ظہور ہوگا جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی' دل سخت ہو جائیں گے' اگر کوئی اس ظہور سے قبل میرے متبعین میں سے یہ دعوی کرے کہ اس نے مجھے دیکھا ہے تو اسے جھوٹا جاننا۔ (الطوسی : کتاب الغیبہ۔ الاحتجاج طبرسی غیبت جاسم حسین) اس طرح غیبت امام میں نیابت کا یہ سلسلہ ۷۰ برس قائم رہنے کے بعد بند ہو گیا' چنانچہ اب کوئی بھی جو امام کی نیابت کا دعوی کرے گا وہ جھوٹا ثابت ہوگا۔ امامیہ نے اسی لئے ابوبکر البغدادی' محمد بن احمد بن عثمان عمری کو کاذب قرار دیا۔ یہ ابوبکر البغدادی محمد بن احمد' سفیر اول کا پوتا' سفیر دوم کا بھتیجا تھا۔ اس نے بارہویں امامت کی نیابت کا دعوی کیا تھا۔ (بحوالہ بحارالانوار) شلمغانی کے ایسے ہی دعوی نیابت کو بھی امامیہ نے رد کر دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے "توقیع" کو امام کی تحریر قرار نہیں دیا۔ کچھ نے کہا کہ جو پہلی توقیعات' نوابین عصر کے نام آتی رہیں' ان کا خط تحریر اور اسلوب

یکساں ہے اس لئے آخری توقیع کو بھی تحریر امام تسلیم کرنا چاہئے۔ دوسری نیابت تک لوگ زیادہ مطیع اور فرمانبردار رہے۔ اس دور تک نائب امام کا ہر کہنا' امام کا کہا سمجھتے تھے۔ لیکن تیسری نیابت سے لوگوں میں اختلافات نے زیادہ زور پکڑا' چونکہ اس منصب کے ساتھ شرعی معاملات اور تعلیمات مذہبی کا تعلق اس قدر نہ تھا جس قدر کہ سیاسی مقاصد' مالی امور اور دیگر سماجی مسائل کا تھا۔ خاص طور پر زکوہ اور خمس کی وہ رقوم' جو بنام امام مقرر تھیں' ان پر غیبت امام میں تصرف و اختیار کا معاملہ زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ بارہویں امام کی غیبت اور چوتھی نیابت کے خاتمے پر وکالت کے ذریعے خمس کی وصولیابی کا نظام بھی ختم کر دیا گیا۔ قاسم البلخی' ابوزید علوی' صاحب بن عباد جیسے معتزلہ اور زیدیہ نے غیبت امام کے تصور پر منطقی اعتراضات شروع کر دئے اور کہنا شروع کیا کہ ۲۵۶ھ سے ۳۲۹ھ تک' تہتر برس' عام انسانی عمر ہے' امام نے اس مدت کو پورا کیا اور رواج عام کے مطابق وفات پائی۔ (بحوالہ کتاب الغیبہ : نعمانی بہ تذکرہ کتاب الغیبت' جاسم حسین) ابوسہل اسمٰعیل بن علی النوبختی نے بھی یہی کہا' وہ بھی وفات امام کا قائل تھا۔ (ابن الندیم : الفہرست)

چوتھی نیابت امام (علی بن محمد سمری) کے بعد' بتلایا گیا کہ اب امام نے ایسی غیبت اختیار کی جس میں وہ کسی سے مل نہیں پائیں گے' اس صورت حال کو غیبت کبری سے تعبیر کیا گیا اور کہا گیا کہ علی بن محمد سمری کی وفات ۳۲۹ھ کے بعد امام کا کوئی نائب نہیں ہوگا اور یہ اطلاع بھی خود علی بن محمد سمری کے ذریعے عام ہوئی۔ ۲۶۰ھ سے ۳۲۹ھ تک غیبت صغری رہی' چونکہ یہ نہیں کہا گیا

کہ غیبت کبری کب ہوگی اور کتنی مدت رہے گی؟ بس آثار و علائم ظہور بتلائے گئے۔ لوگوں نے غیبت اول کے ستر برسوں کو مد نظر رکھ کر' غیبت کبری کی بھی یہی یا اس سے کچھ بیش و کم مدت پر قیاس کیا۔ شیخ مفید (۴۱۳ھ) اور شیخ حسن طوسی (۴۶۰ھ) تک غیبت واقع ہوئے' کوئی ایک سو تیس برس ہو چکے تھے۔ لوگ ظہور امام کی توقع کرنے لگے' حتی کہ اس وقت کے علماء' شیخ مفید' قمی اور طوسی وغیرہ نے سہم امام کے لئے لوگوں سے کہا کہ وہ اسے سنبھال کے رکھیں' زمین میں دفن کردیں اور اپنے بعد اپنے ورثاء کو وصیت کر جائیں کہ یہ رقم امام کے حوالے کر دی جائے۔ (غیبت امام : جاسم حسین) ابوالصلاح اور ابن زہرا حلبی نے بھی شیخ مفید کا یہی انداز نظر تسلیم کیا۔ حتی کہ ساتویں صدی آ پہنچی۔ ظہور مہدی کی امید نے طول اختیار کر لیا۔ تب امامیہ علماء خاص طور پر' محقق حلی نے شیخ مفید' طوسی' اور ابن زہرا حلبی کے فتاوٰی کے برعکس خمس سے امام کا حصہ خود وصول کرنا شروع کیا۔ محقق حلی نے یہ رقم وصل کرکے تعلیمات مذہبی کے فروغ اور دینی مصارف کے لئے مقرر کردی۔ محقق کا یہ طرز عمل' شیعی فقہاء میں ولایت فقیہ اور نیابت امام کا پہلا تصور تھا۔ غیبت امام میں فقہا امامیہ کا یہ پہلا کردار تھا۔ اس سے پہلے شیخ کلینی اور صدوق وغیرہ محض راویان حدیث تھے جن کا کام امام کے کے احکامات اور احادیث کی روشنی میں شیعوں کی رہنمائی کرنا تھا۔ اب انہوں نے مجتہد کی حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ اصولی طور پر محقق حلی کو شیعوں کا پہلا مجتہد سمجھنا چاہئے۔ شیعی فقہاء کے مابین یہ پہلا اصولی اختلاف تھا اس سے پہلے عقیل العمانی (۳۵۰ھ)' ابن جنید الاسکافی (۳۸۱ھ) کے

اجتہادی فیصلوں کو محض اس لئے نہیں مانا گیا تھا کہ اس طرح عقلی مباحث کو راہ ملے گی اور منطق و معقولات کے ذریعے قیاس فاسد جنم لے گا۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں یہ ایسے معاملات تھے جن پر شیعہ فقہا کی الگ الگ رائے سامنے آئی۔ اسلام کے شیعی نقطہ نظر میں شیعہ علماء کے مابین داخلی تقسیم کا یہ پہلا عمل تھا۔ بعد میں ہرچند کہ عقیل العمانی' ابن زہرا' اور ابن جنید جیسے شیعہ فقہا کا نقطہ نظر ہی قابل قبول ہوا اور آج تک وہی اجتہادی رویہ شیعیت کا طرہ امتیاز چلا آتا ہے۔

غیبت امام کے زمانہ کبری کا طول پکڑنا' پانچویں اور چھٹی صدی تک' اس انتظار کی مدت کا آگے بڑھ آنا' شیعیت کے لئے ان معنوں میں مشکل کا زمانہ تھا کہ غیبت پر منطقی اعتراضات' زیادہ تر زیدیہ فرقے نے شروع کر دئے' چنانچہ فقہائے شیعہ کو غیبت امام کے دفاع میں' اپنے کردار کا از سرنو تعین کرنا پڑا۔ وہ فقہی مسائل سے زیادہ عقیدے کے دفاع میں مشغول ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے فقیہ کی بجائے متکلم کی حیثیت اختیار کرلی۔ محقق حلی سے پہلے' شیخ مفید نے بھی امامیہ عقائد کے دفاع میں بہت کچھ لکھا جس کے سبب انہیں شیعہ متکلمین کے سرخیل کی حیثیت حاصل ہے۔ علم کلام کے مباحث' اعتراض اور رد اعتراض کی بحثیں' روایت اور درایت کے یہ سارے مباحثے اس لئے بھی زیادہ ہو گئے کہ سلسلہ امامت ختم ہوا اور ساری ذمہ داریاں علماء و فقہا پر آ پڑیں۔ زندگی کی نئی مشکلوں اور نئے تقاضوں نے دین اور شریعت سے اپنے سوالات کا جواب چاہا اور اپنے مسائل کا حل طلب کیا۔ یہ ایک ایسی صورت حال تھی جس

یں سوائے اجتہاد کے کوئی مددگار ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ امامیہ علماء میں شیخ مفید کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے اجتہاد کا دروازہ کھولا اور وہ پہلے شیعہ مجتہد کہلائے۔ اجتہاد کا یہ وہی مکتب تھا' جسے شیخ الطائفہ حسن طوسی نے' شیخ مفید کے بعد مضبوط کیا۔ (پی ایچ ڈی مقالہ "الطوسی" محمود رمیار : ایڈنبرا یونیورسٹی ۱۹۷۷ء)

اجتہاد کی بنیاد وہ شرعی ضرورت ہے جہاں کسی مسئلے کے متعلق کتاب و سنت کا کوئی حکم قطعی طور پر سمجھ میں نہ آتا ہو۔ لہٰذا ایسے حکم کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص جو اجتہاد کرتا ہے' عربی زبان' اس کے نکات و معارف اور انشاء و ادب کے تمام اسالیب کو سمجھتا ہو' مجمل اور مفصل کو جانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ حکم کو کس کس طرح اصل' فرع اور علت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اشارۃ النص' اقتضاء النص اور عبارت النص کے سمجھنے کی کامل اہلیت رکھتا ہو۔

یہ کام نہایت ذمہ داری کا ہے۔ اگر مجتہد ذرہ سی لغزش کر بیٹھے' دین کی روح مضمحل ہو سکتی ہے لہٰذا اجتہاد میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایک مجتہد کی خطا' ساری امت کی خطا بن سکتی ہے۔ چنانچہ غیبت امام ۳۲۹ھ کے بعد' احکام شرعی کو جب اجتہاد کی ضرورت پیش آئی تو محض ان چند لوگوں کو اس اعتبار کا اہل سمجھا گیا جن کی صیانت علم' تقوی اور اہلیت مسلم تھی۔ یہ شیخ مفید کے بعد' حسن طوسی' ابن طفیل' ابن جنید' سید مرتضیٰ جیسے لوگ تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اجتہاد کا دائرہ محدود ہو گیا۔ اول تو یہ کہ اجتہاد کے لئے مدرسہ اور مکتب علمی

سے وابستگی عملاً لازم کر دی گئی اور ہر مجتہد کا کسی نہ کسی حوزہ علمیہ سے متعلق ہونا رواجا ضروری قرار پایا۔ دوم یہ کہ اجتہاد کو ایک خاص منصب پر ٹھہرا کر "تقلید" پر زور دیا جانے لگا۔ اور ہر شیعہ کا مقلد ہونا لازم قرار پایا۔ تقریبا یہی صورت حضرات اہل سنت میں ہوئی۔

ائمہ اربعہ حضرت ابو حنیفہ، مالک، حنبل، شافع کو مجتہد مطلق بنا کر پیش کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ ان کی تقلید کی جائے اور بربنائے فضیلت جو انہیں زمانہ پیغمبر، اصحاب اور تابعین سے قربت کے سبب حاصل تھی، کہا گیا کہ ان کے فیصلے معیار شریعت ہیں اور انہی کو معاملات شریعت میں فیصلوں کی اولیت حاصل ہے۔ لیکن اہل سنت کے اس نظریہ تقلید کے بالکل برعکس، شیعوں کا معاملہ جدا ہے۔ تقلید کے وجوب کے باوجود شیعوں میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہا۔ اجتہاد کے اس محدود نظریے اور تقلید کے وجوب پر اصرار کی مخالفت بھی کی گئی۔ (بحوالہ "مسئلہ تقلید" ص ۲۷ مصنفہ ڈاکٹر اسد اریب، طبع ملتان) بالخصوص شیعہ علماء کے اخباری طبقے نے اس فکر کی ہمیشہ مخالفت کی۔

اخباری علماء کا مکتب فکر

اصولی علماء کے مقابل ایک ایسا انداز نظر ہے جو تقلید کا یکسر مخالف ہے۔ تقلید کے قائل جن علماء کو اصولی کہا گیا ان کے استدلال کے نتیجے میں شرعی معاملات پر غور و فکر ایک مخصوص مکتبی طبقے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ اخباری علماء، فکر مذہب کی صلاحیت اور غور و فکر کی اہلیت رکھنے والے غیر مکتبی اشخاص کو بھی یہ حق دینا چاہتے ہیں۔

اصولی علماء کے نقطہ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ علم فقہ کے اعتبار سے شیعوں کے نزدیک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارع (شرع دینے والے، شرع کا راستہ) ہیں اور ائمہ اثنا عشر اس شرع کے شارح اور مفسر ہیں۔ کتاب خدا اور سنت رسول کی صحیح تعبیر کا اصل ماخذ، انہی ائمہ کے اقوال و احکام ہیں۔ مجتہد، جو فی الاصل، عالم فقہ ہوتا ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ اصول فقہ سے، جن کی تشریحات ائمہ اثنا عشر نے کی، مسائل کا استنباط کرے اور نئے شرعی تقاضوں کا جواب لائے۔ جو فقیہہ ہے اس پر علم واجب ہے لیکن جو فقیہہ نہیں اس پر تقلید واجب ہے۔

مگر تقلید کے اس مسئلے پر اخباری علماء کی رائے اس خیال کے برخلاف ہے۔ اس طبقے کی قیادت مشہور شیعہ عالم، حر عاملی (شیخ محمد بن حسن مشغری، زمانہ گیارھویں صدی ہجری) نے کی۔ اخباریوں کے دلائل بحث کو شیخ نے اپنی معرکہ آراء تالیف "تفصیل وسائل الشیعہ الی احکام الشریعہ" میں بھی واضح کیا ہے۔ اخباری علماء کے اس طبقے کی پہل محقق حلّی (۷۲۶ھ) نے کی۔ بعد کے زمانے میں، محقق کے ان خیالات کو علامہ شیخ محمد بن حسن حر عاملی اور علاقہ اُرڈبیلی وغیرہ نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا، حالانکہ حر عاملی اصولی مکتب فکر کے جید عالم، زین الدین، جیسے بزرگ شخص کے ممتاز تلامذہ میں ہیں۔ احادیث و اخبار نبی، ارشادات ائمہ کا براہ راست مطالعہ اور ان مصادر شریعت تک پہنچنا، اس تقلیدی مسلک کے بالکل برخلاف تھا، جس نے مجتہد کے سوا، ہر مسلمان پر تقلید کا وجوب عائد کیا۔ اصولی علماء سے مختلف رائے

رکھنے والے یہی لوگ' اخباری علماء کہلائے۔

اخباری مکتب فکر کی رائے میں علماء کی وضع کی ہوئی فقہ کی دلیلیں حدیث نبوی اور حدیث ولوی (جن احادیث و اخبار کا تعلق ائمہ کرام سے ہے) کے ہوتے ہوئے' ایسی قابل اعتماد نہیں۔ صرف حدیث ہی قابل استنباط ہے۔ یہ لوگ اصولی علماء کے مقابل "اخباری" کہلاتے ہیں۔ گویا اخباری علماء وہ ہیں جو حدیث اور اخبار نبی کو اچھی طرح جانتے ہوں' کسی کی تقلید کی بجائے عام علم تک رسائی حاصل کرکے دین پر عمل پیرا ہوں۔ اہل سنت میں' اہل حدیث کا مسلک بھی' تقریبا اسی جیسا ہے۔ تقلید کے مقابل' ان شیعہ اخباری علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اخبار و احادیث' جو کسی بھی زیر بحث مسئلہ میں سامنے آئیں' ان پر عمل کیا جائے اور ہر اہل شخص کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے مگر غیبت امام کے فورا بعد والے زمانے میں جب علماء و فقہا نے مذہبی امور میں اپنی حیثیت کا تعین کرلیا تو اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ لوگ انہیں غیبت کے زمانے میں نائب امام جانیں اور ان کے ہر فیصلے اور ہر بات کو من جملہ احکام شریعت سمجھیں۔ اس طرح شریعت میں تقلید کے وجوب پر اصرار بڑھتا گیا۔ (بحوالہ "مسئلہ تقلید" : ڈاکٹر اسد اریب طبع ملتان ۱۹۸۹ء)

دین کے معاملات میں غور و فکر اور تدوین شریعت کا اصل زمانہ چوتھی صدی ہجری ہے۔ چوتھی صدی ہجری (۳۲۹ھ کے بعد) کا زمانہ جب غیبت امام واقع ہوئی' ایک ایسی مدت انتظار تھی جس میں لوگوں کو ظہور امام کی امید بندھی رہی اور انہیں یہ یقین تھا کہ غیبت صغری سے امام کی مراجعت جلد

ہوگی لہٰذا اس عرصے میں علماء جمع حدیث اور تدوین فقہ کی طرف متوجہ زیادہ رہے اور یوں بھی امامت کا قریب تر زمانہ تھا' علماء کے کردار کا کوئی واضح تعین نہیں کیا جا سکا تھا۔ غیبت طولی کے زمانے میں علماء کے کردار کا تعین با آسانی ہو سکا کیونکہ زندگی کی مشکلات و مسائل میں مذہب کی رائے لینے اور تمدنی معاملات میں مذہب کی رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی تھی۔ اس طرح زمانہ شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ) اور حسن طوسی جیسے متکلمین کا آپہنچا۔ الافشاء' العیون والمحاسن اور المجالس جیسی کتابیں شیعہ علم کلام پر شیخ مفید نے لکھیں۔ پھر شیخ کے عزیز ترین شاگرد (بہ زمانہ پانچویں صدی ہجری) مرتضیٰ اور رضی کے ہاتھ تشیع کی قیادت آئی۔ ان دونوں بھائیوں نے ادب و انشاء' کلام اور فقہ کے مباحث اصولی کے ذریعے اپنے عہد میں فکر و نظر کا ایک انقلاب برپا کر دیا۔ خاص طور پر شریف مرتضیٰ علم الہدی (علی بن الحسین ۴۳۶ھ) نے اصول فقہ پر جو معرکہ آراء کام کئے' وہ سنی اور شیعہ دونوں مکاتب فکر کے لئے تدوین شریعت کا اثاثہ ہیں۔

اس دور تک پہنچتے پہنچتے علمائے شیعہ نے اپنے کردار کا تعین کر لیا اور وہ جان گئے کہ اب مذہب کی قیادت انہیں کرنا ہوگی۔ پانچویں صدی ہجری کا یہی سنہری دور تھا جب علماء نے فی الحقیقت انبیاء کے وارث ہونے کا ثبوت دیا۔ سید مرتضیٰ علم الہدی کے قابل فخر شاگرد حسن طوسی' شیخ الطائفہ (۴۶۰ھ) بھی اسی فکر انگیز صدی کی میراث ہیں جنہوں نے شریعت اسلامی کی تدوین و ترتیب کے لئے بنیادی اصول وضع کئے۔ خاص طور پر ان کی قابل فخر کتاب "المبسوط)

اس موضوع پر ایسا علمی کارنامہ ہے جس میں فقہ اسلامی کے تقریباً تمام ممکنہ مسائل کا تفصیلی جائزہ مل جاتا ہے۔ "المبسوط" ایک ایسی کتاب ہے جس کی اہمیت کا ہر فرقے کے علماء نے ہر زمانے میں اقرار کیا اور آج تک اس کی وہی اہمیت قائم ہے۔

غیبت طولی کے آغاز سے پانچویں صدی ہجری تک' سوا ڈیڑھ سو سال کے اس عرصے نے علمائے شیعہ کو اس بات کا قطعی احساس دلا دیا کہ اب ائمہ معصومین کی علمی نیابت انہیں کرنا ہوگی۔ لوگوں کی رہنمائی اور دینی ہدایت کا فریضہ اب یقیناً ان کے سر ہوگا۔ دین میں ان کے اسی منصب کی سرفرازی نے انہیں غور و فکر کی نئی راہیں دکھائیں اور وہ محسوس کرنے لگے کہ ان کا کام اب صرف روایت حدیث نہیں رہا۔ انہیں اپنی ذکاوت عقل اور تبحر علم سے ایسے نام امور کا جواب دعوی بھی دینا ہوگا جو ضرورت اور تقاضہ وقت کے تحت امت سلمہ کو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہیں گے۔

چھٹی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں کے حکیمانہ خیالات' علم و عقل اور مذہبی غور و فکر کو پختگی حاصل ہوئی۔ علماء نے اپنے نتائج فکر سے اصول و فروع کی راہوں کا تعین کیا۔ بس برائے نام چند مسائل ایسے رہ گئے جن میں قیل و قال کی جا سکتی تھی' لیکن بحیثیت مجموعی مباحث مذہب طے کر لئے گئے اور شریعت مدون کر لی گئی لہٰذا اختلافات کی پہلی جیسی صورت باقی نہیں رہی۔ مسلمانوں کے مجموعی نظام فکر کے یہ اثرات تشیع پر بھی وارد ہوئے۔ شیعی افکار میں بھی یہ ثبات' نمایاں ہوا۔ شیعت کے خلاف بنو عباس کی مخالفانہ روش بھی دم

توڑ چکی تھی بلکہ خود شیعوں کو بھی اپنا اقتدار کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی صورت میں نظر آنے لگا تھا۔ ان کی جمعیت بھی دنیا کو علی الاعلان دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اب تقیے سے باہر نکل آئے تھے۔ لہٰذا شیعہ متکلم، محدث، فقیہہ، اور مدرس، اہل الرائے نے مسلمات مذہب و توسیع دین پر زیادہ توجہ دی۔

چھٹی صدی ہجری تک، تاریخ شیعت ایک ایسے موڑ پر تھی جہاں علمائے دین اپنی اہمیت منوا چکے تھے۔ بہت سے معاملات دین اور مسائل شرع پر بحث و مباحثہ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ چکا تھا، لہٰذا جزوی بحثوں اور انفرادی رایوں کے مقابلے میں عدہ علماء کا اعتبار بڑھ گیا۔ اب نئے فرقوں، امامتوں کے نئے تصورات اور عقائد کی توجیہات میں اضافے، ترمیم اور تردید کی گنجائش بہت کم باقی رہ گئی۔ ان علماء نے اپنے امالی (تدریسی لیکچر) کے ذریعے، پہلے زمانوں میں پیدا ہونے والے باطل عقائد کی نہایت عمدہ دلیلوں سے تردید کی اور مزید اختلافات کو آگے بڑھنے سے روکا۔ علم کلام کے مستحکم ہو جانے اور مسلمات پر اتفاق رائے کے اصول نے بھی عقائد میں استحکام پیدا کیا۔

اگلے زمانوں میں بلاشبہ بعض بنیادی اختلافات ضرور پیدا ہوئے اور یہ ایسے اختلاف تھے جن کی بناء پر ہم ان کے مابین فرق (فِـ۔ رَق) کی تمیز قائم کر سکتے ہیں، لیکن ہر اختلاف رائے اور ہر شخص کا ایک علاحدہ نقطہ نظر، ایک الگ فرقے کی بنیاد فراہم نہیں کر سکتا۔ یہ علمی نزاع اور اختلاف رائے کے معاملات اسلام کے معاندین نے خوب اچھالے اور جس مستشرق نے جس نقطہ نظر کو چاہا، فرقے کا نام دے دیا۔

لائیڈن (Leiden) کے تحقیقی مقالوں' مسٹر اسٹراتھ مین (Strothmann) اور بروکلمان (Brockelmann) کے متعصبانہ زرخیز دماغوں' اور دوسرے کئی مستشرقوں نے جنہوں نے ایشاٹک سوسائٹی کے لئے ان موضوعات پر مقالے لکھے' سارا زور اس بات پر صرف کیا کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری شیعوں کے درمیان محض انتشار عقائد اور اختلاف امامت کا زمانہ ہے' حالانکہ ان میں سے کئی فرقوں کے وجود کا' جن کے ہونے پر ان فاضل مستشرقین نے بڑا زور قلم صرف کیا ہے' اس زمانے کے قریب تر فرقہ ہائے اسلامی پر نہایت تفصیلی کتابیں لکھنے والے خود مسلمان مورخین نوبختی' ابن طاہر البغدادی' شہرستانی اور اشعری نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ بالخصوص عیسائی محققوں نے اس بحث میں زیادہ متعصبانہ طریق اختیار کیا۔ مسلمانوں کے مابین معمولی مباحث کو بھی اس طرح پیش کیا' جیسے کوئی کفرو اسلام کا مناقشہ ہو۔ رائی کو پہاڑ بنانے کا یہ مبالغہ آمیز اور منفی طرز عمل اسی لئے بے اثر ثابت ہوگیا کہ یہ فرقے جو مرکز شیعیت سے علیحدگی سزم (Schism) کے ثبوت کے طور پر پیش کئے گئے تھے' ان میں اکثر چوتھی صدی ہجری تک پہنچتے پہنچتے محض تاریخ میں زندہ رہ گئے۔

فی الاصل ان کے ماننے والوں میں کوئی ایک بھی عملاً باقی نہ رہا۔ خود اہل اسلام کو بھی اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ مسلمانوں کے درمیان کسی بھی مسلک کے اندرونی اختلافات کو اچھالنے سے مجموعی طور پر خود اسلام کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے کیونکہ اس طرح کی یہ رنگا رنگ بحثیں اسلام کے اساسی

عقیدے کو کمزور بنانے اور اسے گرد و غبار سے آلودہ کرنے کی سازش کا ایک دور رس مغربی منصوبہ ہے۔

غور کیجئے : خطابیہ' باطنیہ' نصیریہ' علی الہیہ' ملاحدہ' مبارکیہ' متاولہ اور سبائیہ جن کا عقیدہ اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لئے الوہیت کا ہو' انہیں مسلمان کہنا اور مسلمانوں کے مابین فرقوں میں شمار کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

اشاریہ

تعلیقات

تعلیقات :

۱۔ صاحب الشرطہ

۲۔ عمر اطرف

۳۔ ابو مخنف

۴۔ حرہ

۵۔ اشتر

۶۔ ابن جنگی دوست

۷۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر

۸۔ مرجعہ

۹۔ مُرجئہ

۱۰۔ عبداللہ ابن زبیر

۱۱۔ عبداللہ ابن جعفر

۱۲۔ عبیداللہ ابن زیاد

۱۳۔ اھوازی

۱۴۔ نص

۱۵۔ حرعاملی

صاحب الشرطہ

صاحب شرطہ (کوتوال شہر، پولیس افسر) ابو عمرہ کیسان کا نام ہے۔ یہ ابو عمرہ، مختار کا نامزد پولیس افسر تھا، جس نے کوفے میں دشمنانِ اہل بیت کو چن چن کر قتل کیا۔ اسی کے نام سے فرقہ کیسانیہ مشہور ہے۔ کیسانیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت محمد ابن حنفیہ، (فرزند علی) "قائم المہدی" ، "المنتظر" ہیں۔ اسی جماعت کیسانیہ کے عقائد کی بنا پر شیعوں میں بقول شہرستانی، بدا کا مسئلہ (دیکھئے: بحوالہ بدا) پیدا ہوا۔

عمر اطرف (اطرف) : انہیں عمر ابن علی بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت علی کے سب سے چھوٹے فرزند کا نام ہے۔ ام حبیبہ بنت ربیعہ کے بطن سے تھے۔ حضرت علی کے بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے اور سب سے بعد وفات ہوئی، تقریباً ۸۵ سال کی عمر پائی۔ اسماء بنت عقیل ابن ابی طالب سے نکاح کیا۔ محمد، موسیٰ، ام حبیب، بچوں کے نام ہیں۔ جناب امیر کے وقت شہادت جو فرزند، زندہ تھے ان میں حضرت حسن، حضرت حسین، جناب محمد حنفیہ، حضرت عباس اور یہ جناب ہیں۔ جناب رقیہ ان کی بہن تھیں۔ یہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے۔ اطرف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ہم زمانہ، حضرت زین العابدین کے فرزند عمر اشرف بھی تھے (انہی عمر اشرف کی اولاد، برصغیر میں اپنے آپ کو "عابدی" لکھتی ہے لیکن سب "عابدیوں" کا یہ دعویٰ نہیں۔ کچھ "عابدی" اپنے آپ کو حسن افطس کی اولاد بتلاتے ہیں۔ حسن افطس بیٹے تھے،

جناب علی اصغر بن علی ابن الحسین کے۔ ان دونوں میں جو ایک ہی نام والے "عمر" تھے، تمیز کے لئے امام زین العابدین کے فرزند کو "اشرف" کے لاحقے سے یاد کیا جانے لگا، کیونکہ ان کی نسبت اولاد علی و فاطمہ سے تھی۔ مگر فرزند علی کو "اطرف" (ایک طرف پر، در کنار ہونا) اس لئے کہا گیا کہ وہ فقط، باپ کی ایک نسبت سے ممتاز تھے۔ عمر بن علی (عمر اطرف) نے ینبع (جاگیر علی) میں وفات پائی۔ باپ کی وفات کے بعد ان کے فرزند محمد بن عمر الاطرف جناب امام زین العابدین کے پاس آئے، ادب سے جھکے اور ہاتھ چومے، حضرت سید سجاد نے اپنی بیٹی، خدیجہ کا ان سے نکاح کر دیا۔ جناب عبداللہ بن محمد، ان سے پیدا ہوئے۔ صاحب کرامت شخص تھے۔ بغداد میں دفن ہیں۔

ابو مخنف

ابو مخنف (م خ + ن ف) لوط بن یحییٰ بن سعید الازدی، اسلام کے ابتدائی دور کا مورخ اور محدث کہلاتا ہے۔ ۱۵۷ھ کے قریب تر اس کا ہونا، تاریخ سے ثابت ہے، خاص طور پر عراق کے واقعات پر اس کو سند کی حیثیت حاصل ہے۔ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں اور طبری نے "تاریخ الامم والملوک" میں، اس کو اپنا ماخذ ٹھہرایا ہے۔ بہت سی مختصر ضخامت والی کتابیں (رسائل) اس سے منسوب ہیں۔ یہ واضح طور پر ایسا مورخ ہے، جسے شیعہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے دادا، پردادا اور باپ کا شمار حامیان علی میں ہوتا تھا۔ اس کی ایک کتاب کوفے کے واقعات اور کربلا کے سانحہ سے متعلق "مقتل الحسین" بھی ہے۔

واقعہ حرہ

۶۳ھ میں یزیدی افواج نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں عبداللہ ابن زبیر کو دبانے کے لئے ان کے زیر اثر شورش زدہ علاقوں پر حملہ کیا۔ مدینہ خاص طور پر یزیدی افواج کا ہدف تھا۔ مسلم بن عقبہ نے مدینے سے ذرہ دور مقام حرہ پر قیام کیا اور اپنی صفیں' شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے یہاں درست کیں' پھر مدینے پر سفاکانہ حملہ کر دیا۔ کوئی سات سو مرد و زن' بچے اور بڑے مارے گئے۔

مدینے میں سوائے حضرت زین العابدین کے اس نے کسی خورد و بزرگ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا۔ یہ واقعہ حرہ کہلاتا ہے۔

الاشتر : مالک بن حارث النخعی

"الاشتر" کا مطلب ہے مڑے ہوئے پپوٹوں والا۔ (عربوں میں' اعضاء کے عیب اور ان کی خصوصیتوں کے سبب بھی بہت سے نام معروف ہوئے ہیں جیسے افلج' افلس' مڑے ہوئے پنجوں والا

جنگ یرموک (۱۵ھ) میں' ایک مقام پر ان کی آنکھوں میں تیر لگا اور غلاف چشم الٹ گیا۔ تب سے ان کا لقب "اشتر" قرار پایا۔ نہایت بہادر' قوی الجسم' قد آور اور مضبوط اعضاء والے شخص تھے۔ کوفے کے رہنے والے تھے۔ "تہذیب التہذیب" ابن حجر میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ ابن سعد نے بھی اپنے "طبقات" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عثمان کے خلاف' مدینے کی مہم میں ان کا نام بھی ان کے مخالفین میں لیا جاتا ہے۔ مشہور طرفدار اہل بیت ہیں۔ حضرت

علی کے عہد تک ان کا ذکر ملتا ہے۔

صفین کے معرکے میں حضرت علی کا معتمد سپاہی' میمنہ کا سردار تھا۔ مدینے پر تقریبا دو سو سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ دارالامارت پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عثمان کے قاتلوں میں بھی ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ واقعہ جمل میں بھی' بی بی عائشہ کے لشکر کے خلاف' حضرت علی کی طرفداری میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ امیر معاویہ کا قول تھا کہ "الاشتر' علی کا ایک بازو ہے"۔ تحکیم کے واقعے میں بھی اس کی شہرت ملتی ہے۔ الجزیرہ اور مصر کی مہموں میں بھی حضرت علی کے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ مصر' اپنے منصب پر جاتے ہوئے (۳۸ھ) راستے ہی میں انہیں زہر دے کر مار ڈالا گیا (بقول طبری : جلد : ۱)

ابراہیم' جن کا نام مختار کی تحریک میں بہت نمایاں ہے' انہی مالک اشتر کے فرزند ہیں۔ اہل بیت سے محبت وراثت میں پائی تھی۔

ابن جنگی دوست جناب محی الدین عبدالقادر

جناب محی الدین عبدالقادر (معروف پیران پیر) ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء بغداد اور واسط کے درمیان ایک قصبے "جیل" میں پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے' حسنی سید باپ کی طرف سے (حسن مثنی کی اولاد) اور حسینی' ماں کی جانب سے تھے۔ لیکن خود حضرت نے کہیں بھی اس سیادت کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ البتہ علامہ رشید رضا مصری نے بحوالہ مقالہ:عبدالقادر جیلانی:دائرہ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد (ع) انہیں حسنی اور حسینی الاصل ثابت کیا ہے۔ حضرت حسن کی

اولاد میں' جناب حسن مثنی کے صلب سے جو لوگ نمایاں ہیں' ان میں ایک بزرگ جنگی دوست (زنگی دوست) کے فرزند بتلائے جاتے ہیں۔ کتب انساب لکھنے والے شیعہ علماء و مورخین نے ان کے حسنی الاصل ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ غیر شیعہ ماہر انساب احمد بن علی بن حسین بن مہنا نے اپنی مشہور کتاب "عمدہ الطالب" میں بھی یہی انکار لکھا ہے۔ شیخ کا مذہب اہل بیت سے کوئی تعلق قائم نہیں ہوتا اور نہ ان کے مجاہدوں میں' ریاضت اور کرامات کے کسی واقعے میں' یہ میلان نظر آتا ہے۔ شیخ اپنے مسلک میں حنبلی تھے۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کا شمار مدینے کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ یہ ان اکابر اسلام میں سے ہیں' جنہوں نے مدینہ علم کے آثار کو اخلاف تک پہنچایا۔ آپ نانا ہیں' حضرت امام جعفر صادق کے۔ امام صادق نے' اپنے ان نانا کی قربت میں کامل ستائیس برس گزارے۔ حضرت قاسم کے ایک بیٹے جناب عبدالرحمن بن قاسم' کا شمار بھی مدینے کے ان جید سات فقہاء میں کیا جاتا ہے جنہوں نے بنو امیہ کے دور میں عراق کے تخت و دولت کے مقابل مدینے میں مسند علم بچھائے رکھی۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر نے ۱۰۷ھ/۷۲۵ء میں بمقام مدینہ وفات پائی۔

مرجعہ

یہ اسی فکر کا نام ہے جو عبداللہ ابن سبا کے افکار سے منسوب کی جاتی ہے۔ مرجعہ (مرجیعہ) فکر کا بانی عبداللہ ابن سبا کو بتایا جاتا ہے۔ ابن السودا' اس کا اصل نام ہے۔ اسے ابن وھب و ابن حرب بھی کہتے ہیں۔ یمن کا یہودی تھا۔

اسلام لایا تو اسلام کے معاملے میں اس قدر جوش دکھایا کہ غالی ہو گیا۔ نسبتاً دوسرے گروہوں کے' اہل بیت کا بہت حامی رہا۔ حضرت علی کا طرفدار تھا۔ ایک وقت وہ آیا کہ انہیں خدا کہنے لگا۔ حضرت علی نے اس کے ان عقائد پر ملامت کی اور اسے توبہ کا موقع دیا۔ جب یہ اپنے مشرکانہ عقائد سے باز نہ آیا تو حضرت علی نے اسے زندہ جلوادیا۔ اسے شیعہ کہنا' یا اس کے عقائد سبائیہ کو "شیعیت" کی تقسیم میں شمار کرنا' صریحا ظلم ہے۔ ائمہ شیعہ اور علماء متقدمین نے اسے گمراہ کہا ہے(عبداللہ ابن سبا: محمد باقر' کھجوا بہار ہند) عبداللہ ابن سبا کے بارے میں متضاد اور نہایت مختلف باتیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ اسے جلا دیا گیا' لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ اسے حضرت علی نے اپنی زندگی میں جلایا ہو اور وہ (عبداللہ ابن سبا) قبل واقعہ یہ کہتا ہو کہ علی نے' وفات نہیں پائی۔ وہ عیسی کی طرح آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں۔ بہر حال عبداللہ ابن سبا کے عقیدے میں حضرت علی اور حضرت محمد ﷺ دنیا کی طرف دوبارہ رجوع کریں گے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کریں گے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ جب عیسی علیہ السلام دوبارہ آسکتے ہیں اور عموما مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے تو علی اور محمد' کیونکر واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ سبائیہ کو مرجیعہ بھی کہا گیا۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ کسی شیعہ مورخ' عالم اور ائمہ اثنا عشر سے ایک بھی فرد ایسی نہیں جس نے ابن سبا کو شیعہ کہا ہو' مگر شیعہ مخالف مورخوں کا پورا زور اس بات پر ہے کہ یہ شیعہ تھا اور شیعیت کی بنا اس نے رکھی۔ حالانکہ شیعوں کے نزدیک اس کے عقائد مشرکانہ اور ملحدانہ ہیں اور نہ شیعہ اس سے

منسوب عقیدہ رجعت کو مانتے ہیں۔ خیال رہے کہ عبداللہ ابن سبا کی مرجیہ فکر، اس فرقہ مرجیئہ سے بالکل مختلف ہے جو علم کلام کی بحث کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا۔

مرجئہ

یہ لفظ تین طرح آتا ہے : مرجئہ۔ المرجیہ۔ المرجیہ

مرجئہ (م ر + ج ء ہ) ۔ بمعنی التواء میں ڈالنا، آخر کر دینا، پیچھے کر دینا، مقدم کی نسبت مؤخر کر دینا۔

مسلمانوں کا ایک گروہ ہے جس کے عقیدے میں، اہمیت قول، اقرار اور ایمان کی ہے۔ عمل کو اس میں دخل نہیں یعنی اس طبقے کے نزدیک محض عقیدے (اقرار) کی اہمیت ہے۔ اس طبقے نے اقرار کو مقدم اور عمل کو مؤخر کر دیا۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر یہ عمل خیر نہ بھی کریں، فرائض دین، نماز، روزہ، حج، زکوہ وغیرہ اگر ادا نہ بھی کریں، تب بھی ایمان ان کا، باعث نجات ہوگا۔ ان کے نزدیک عقیدے اور ایمان کی موجودگی میں گناہ، ترک واجب، قضائے حکم انہیں اخروی نقصان نہیں پہنچا سکتا، خواہ فرائض (فروعی) کی ادائیگی نہ کریں، جنت میں ضرور جائیں گے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت (بصورت عذاب و سزا) انہیں کوئی نقصان نہیں دے سکتی، جیسا کہ کفار کو ان کی نیکی، ایمان باللہ نہ ہونے کے سبب کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

یہ گروہ مرجئہ اس لئے کہلاتا ہے کہ اس کے عقیدے میں خداوندِ

عالم' رحمان و رحیم ہے' غفار اور غفور ہے' لہٰذا وہ صاحبان ایمان (جنہوں نے ایمان قبول کیا) کی توبہ ہر لحہ قبول کر لیتا ہے۔ گویا گناہوں کی سزا ملتوی کر دیتا ہے۔

یہ فرقہ خوارج کا مخالف بھی محض اس لئے تھا کہ خوارج نے شدت کے ساتھ یہ تصور پھیلایا کہ مسلمان گناہ کبیرہ کرنے کے بعد مسلمان نہیں رہتا' کافر ہو جاتا ہے۔ مرجئہ کی نسبت خوارج تکفیر کے معاملے میں زیادہ متشدد تھے جبکہ مرجئہ دین میں نرمی' ملائمت اور مہربانی کے قائل تھے۔ مرجئہ کا عقیدہ' سورہ التوبہ کے ان الفاظ سے عبارت تھا کہ خدا جس کو چاہے' سزا دے اور جس کو چاہے' معاف کر دے' یہ سب خدا کے حکم پر موقوف ہے:

وآخرون مرجون لامر الله اما یعذبهم واما یتوب علیهم

یہی عقیدہ ارجا کہلاتا ہے (ارجا۔ بمعنی خوش امیدی)

عبداللہ ابن زبیر

زبیر بن العوام کے فرزند ہیں۔ والدہ کا نام اسماء ہے جو حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ مدینے میں مہاجرین کے ہاں جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا' یہ عبداللہ ابن زبیر تھے۔ جنگ جمل ۳۶ھ میں' حضرت علی کے خلاف' حضرت عائشہ کے لشکر میں تھے۔ عبدالملک کی فوجوں کے ہاتھوں (۷۲ھ) میں مارے گئے۔

حضرت علی نے ان کے لئے ایک نہایت بلیغ جملہ کہا تھا کہ زبیر ہمارے اہل بیت میں سے تھا' جب تک کہ اس کا برا بیٹا' عبداللہ' سامنے نہ آگیا۔

الزبیر رجلا منا اهل البیت حتی نشا ابنه المشؤم عبد الله (نہج البلاغہ: ص:۹۱۵، غلام علی لاہور)

عبید اللہ ابن زیاد

زیاد بن ابیہ کا بیٹا، نہایت سخت گیر شخص تھا۔ ابھی پچیس برس کی عمر تھی کہ خراسان کا والی (بعہد امیر معاویہ) مقرر ہوا۔ ۶۰ھ میں، یزید نے، اسے کوفے کا حاکم مقرر کیا۔ امام حسین کے قتل کی تمام تر تدبیروں کا اصل دماغ یہی تھا۔ یزید کی موت کے بعد کوفے اور بصرے پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مختار ثقفی کے جرنیل ابراہیم بن الاشتر نے اس کو محرم ۶۷ھ میں، موصل کے مقام پر آگھیرا۔ عین روز عاشورا تھا۔ عبید اللہ اور حصین بن نمیر، دونوں کام آئے۔ مختار کے حکم سے انہیں عبرت ناک سزا دی گئی اور عبید اللہ ابن زیاد کا سر قلم کرکے، مختار ثقفی کے سامنے لایا گیا۔

اھوازی : محمد بن علی

محمد بن علی الاھوازی، حضرت امام محمد تقی جواد کا وکیل معتمد تھا۔ اہواز میں اس نے اور اس کے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم نے بھی وکالت کا فریضہ سر انجام دیا۔ گیارہویں امام کی وکالت کرنے والے نہایت اہم لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شیعہ محدثین، کلینی اور صدوق ۳۸۰ھ نے اس سے بہت سی روایات حاصل کیں۔ خصوصا "غیبت" کے معاملات میں اس کو ایک اہم ماخذ کے طور پر قبول کیا۔ یہ کتاب "القائم" کا مصنف بھی ہے۔

نص

لغت میں اس کے معنی ہیں' مقرر کرنا' بلند کرنا' ظاہر کرنا یا ظاہر ہونا۔ اصطلاحاً اس لفظ کا مفہوم' قرآن و سنت سے ظاہر ہونے والے سادہ' صاف اور بے شبہ احکام پر منطبق کیا جاتا ہے۔

یہ لفظ "نص" فقہی اصطلاح کے طور پر زیادہ معروف ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اس حکم میں کوئی نص قرآنی' یا نص حدیث نہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ متعلقہ حکم میں' کوئی دلیل صراحت سے نہ قرآن میں آئی ہے' نہ حدیث میں موجود ہے۔ اس طرح فقہی معاملات میں نص کا عام مفہوم' خبر' اطلاع اور حکم قطعی ہے۔

شیعہ علم فقہ کی بحث میں "نصوص" کا تذکرہ باربار آتا ہے' خاص طور پر بنیادی عقائد کی بحثوں میں یہ لفظ' حکم غیر مشتبہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مسئلہ امامت میں' ائمہ اہل بیت کا جہاں جہاں ذکر آتا ہے' اس لفظ کا حوالہ ملتا ہے۔

کبھی کبھی اشارۃ النص بھی' بطور نص استعمال ہوتا ہے۔ اشارۃ النص یہ ہے کہ کلام سے حکماً کوئی بات واضح ہوتی ہو' اور پھر اس حکم کے بین السطور بھی کوئی اشارہ حکم ملتا ہوا' مثلاً سورہ البقرہ میں کہا گیا: احل اللہ البیع و حرم الربو کہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت (بیع دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے) کو حلال اور سود (ربو) کو حرام قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت میں بیع کے حلال' اور ربو کے حرام ہونے کے علاوہ بیع اور سود میں فرق کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

حر عاملی

اصل نام شیخ محمد بن حسن ہے۔ لبنان کے علاقے جبل عامل (مشغر) ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ اصفہان میں آئے تو علامہ "مجلسی" سے بھی ملاقات کی۔ مشہد میں وفات پائی اور یہیں مرزا جعفر کے مدرسے کے قریب دفن ہوئے۔

شیخ نے احادیث کے ضخیم ترین مجموعے (وسائل الشیعہ) کے علاوہ، تاریخ علماء، رد تصوف اور احادیث قدسی پر بھی نمایاں کام کیا۔

غیر معصوم (علماء) کی لازم تقلید اور اس کے وجوب پر اصرار کرنے والے اصولی علماء کے برخلاف جن لوگوں نے اخبار و احادیث پر عمل پیرا ہونے، اور ممکن مقدور و احتیاط کے ساتھ ان ذرائع کو اختیار کرنے کی تلقین کی، حر عاملی کا نام، ان میں بہت نمایاں ہے۔ شیخ کے خیال میں تدبر اور طلب دین رکھنے والے ہر ذی علم شخص کو اس منہاج پر چلنے کا حق حاصل ہے۔

عبداللہ بن جعفر

جناب زینب کے شوہر کا نام ہے۔ بیٹے ہیں، جناب جعفر کے، جو برادر ہیں، حضرت علی کے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہجرت حبشہ کے موقعے پر پیدا ہوئے۔ مورخین کے نزدیک یہ اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھے۔ جناب جعفر کی شہادت کے بعد یہ خاتون حضرت ابوبکر سے بیاہی گئیں۔ حضرت ابو بکر سے، ان کے ہاں جناب محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ گویا، عبداللہ ابن جعفر محمد بن ابی بکر کے مادری بھائی ہیں۔

تاریخ اہل بیت میں، ان کا تذکرہ زیادہ نہیں ملتا۔ قیس بن سعد (حضرت علی کے ایک ساتھی، مصر کے حاکم) کو معزول کروانے اور امام حسین کو کربلا جانے سے روکنے کے واقعات میں البتہ ان کا حوالہ ملتا ہے۔ واقعہ کربلا میں شریک نہیں ہوئے۔

نبوت کے پانچویں برس کو جب پہلی ہجرت حبشہ ہوئی جناب عبداللہ ابن جعفر کا سال ولادت قرار دیا جاتا ہے۔ (معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفہ ۷۷۵ جلد ۱۲)۔ اس ہجرت میں جناب جعفر طیار نے حبشہ کی طرف سفر کیا وہیں عبداللہ کی ولادت ہوئی اسماء بنت عمیس خشمعیہ ان کی ولدہ ہیں جو جناب جعفر طیار کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر سے بیاہی گئیں اور پھر ان کی وفات کے بعد حرم امیر المومنین علی کی زینت بنیں۔ جہاں وہ اپنے ساتھ اپنے فرزند حضرت محمد بن ابی بکر کو لائیں جو بہت کم سن تھے کم سنی سے جوانی تک حضرت علی کے زیر سایہ رہے پھر جمل اور صفین کے معرکوں میں لشکر علوی کے ممتاز ترین افراد میں شمار ہوئے۔ خلافت علویہ میں جناب امیر نے انہیں مصر کا حاکم بنا کر بھیجا وہاں شہادت پائی۔ یہ محمد بن ابی بکر جناب عبداللہ ابن جعفر کے مادری بھائی، بطن اسماء بنت عمیس سے تھے۔ عبداللہ ابن جعفر کا میلان شروع ہی سے دنیاوی زندگی کی طرف زیادہ تھا۔ مال واموال، دولت ودرہم اور منصب ومحنت کے معاملات میں ہمیشہ سر گرم عمل رہے۔ بہت سخی جواد اور کثیر الرماد مشہور تھے۔ ان کے سیرت نگاروں نے انہیں "بحر..جود" سخاوت وعطا کا سمندر کہا ہے۔ عہد ثانی وثالث میں حکومت کے باقاعدہ منصب دار تھے جناب ابوعبیدہ جراح کی مصر والی مہم میں ان کا نام بطور

نائب افسر کے بھی ملتا ہے ۔رومی حملے کے وقت بھی وہ لشکر اسلامی میں سے تھے۔حضرت عمر کے عہد میں جب دمشق سے چند کوس کے فاصلے پر رومی حملہ آوروں نے اجتماع کیا تب لشکر کے کمانڈر ابوعبیدہ الجراح نے حضرت عبداللہ ابن جعفر کو اپنی نیابت میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا جناب امیر نے اپنی خلافت کے شروع دنوں میں عہد عثمانی کے بعض حکام کے سیاسی رجحانات اور وا بستگیوں کے مدنظر ان کے منصب سے ہٹا دیا بعض کے بارے میں قدرے تامل کیا۔قیس بن سعد کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔مگر انہیں بھی جناب امیر نے کچھ دیر بعد معطل کیا۔ان کے معطّلی کے واقعات میں بھی جناب عبداللہ ابن جعفر کا نام آتا ہے۔قیس عہد علوی میں مصر کے حاکم پہلے سے چلے آتے تھے لیکن بنوامیہ کے طرف دار نہ تھے۔امیر شام نے سیاسی مہم جوئی کے تحت چاہا کے کوفے کی حکومت انہیں معزول کردے تا کہ کوفے کے خلاف ہو جائیں اور چونکہ قیس ایک بڑے لشکر کے مالک رسوخیت والے سخش تھے ،اپنی معزولی کو آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔چنا چہ یہی ہوا بھی۔جب قیس کو معزول کرنے کا مشورہ جناب عبداللہ بن جعفر نے دیا تو حضرت علی مان گئے اور قیس کو معزول کر دیا۔ان کی جگہ عبداللہ ابن جعفر کے مشورہ سے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کے بھیجا، جہاں وہ بنوامیہ کی بربریت وبہمیت کا شکار ہوئے۔جناب عبداللہ بن جعفر کا نام ایسی ہی ایک اور مشاورت میں بھی آتا ہے۔جب امام حسین کوفہ جانے لگے تب انہی جناب نے انہیں کوفے نہ جانے کی رائے دی، وہ اپنی اس رائے کو اس قدر صائب جانتے تھے کہ لشکر حسین میں شرکت بھی نہیں کی۔حالانکہ ان کی بیوی اور بچے واقعہ کربلا

میں شریک ہوئے۔عون ومحمد دو بیٹوں نے وہاں شہادت بھی پائی۔جبکہ وہ خود مدینے میں ہی رہے۔جناب عبداللہ ابن جعفر نے حکومت سے اپنا رشتہ کبھی منقطع نہیں ہونے دیا۔بعض تاریخی واقعات سے ان کا بہت دولت مند ہونا بھی ثابت ہے ، بلکہ بعض اہل تا ریخ نے تو انہیں بنو ہاشم کی امیر ترین شخصیت قرار دیا ہے۔واقعہ کربلا کے بعد بھی انہیں بیس ہزار درہم حکومت وقت نے بطور فتوحات (نذر ہدیہ) دیے۔بقول حسین عماد زادہ بعضوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ انہیں بیس ہزار درہم بطور دیت ادا کیے جائیں ۔ایک دفعہ اس مقصد کے تحت امیر شام سے دس لاکھ درہم بھی لئے یہی وہ اسباب تھے جن کے سبب ان کا مدینے سے زیادہ شام میں رہنا معلوم ہوتا ہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ خراسان کا حاکم عبدالرحمان بن زیاد واقعہ کربلا کے فوراً بعد جب دمشق آیا تو یزید نے کہا تم جو مال اپنے ساتھ لائے ہو عبداللہ ابن جعفر کو پانچ لاکھ درہم دو۔وہ اپنے ساتھ مرکزی خزانے میں دو کروڑ درہم جمع کرانے لایا تھا۔اس رقم سے پانچ لاکھ عبدالرحمان بن زیاد نے عبداللہ ابن جعفر کو امیر کے کہنے کے مطابق دیے،اور امیر کی مزید خشنودی کے لئے پانچ لاکھ درہم اپنی طرف سے بھی دیے۔(طبری،عربی متون مکتبہ ارومیہ جلد۴ صفحہ۲۲۴)

جناب عبداللہ ابن جعفر نے دمشق کی حکومت سے ہمیشہ بنا کے رکھی۔حکام اور حکومت سے انکے قریبی تعلقات کا ثبوت بنی لیث کے ایک آزاد کردہ غلام خاسر اور ایک مغنی بدیح کے مشہور واقعات سے بھی ملتا ہے (ص۲۴۹ جلد۴ تاریخ طبری)۔انہوں نے ۸۰ھ یا بقول بعض ۸۷ھ یا بقول

بعض ۹۰ھ میں وفات پائی۔(۸۰ھ اور ۸۵ھ کے درمیان انکی وفات کا زمانہ بتلایا جاتا ہے۔ بحوالہ طبری، مسعودی، ابن الاثیر)۔اس طرح جناب زینب بنت امیر المومنین کے کوئی اٹھارہ بیس برس بعد تک زندہ رہے اور ایک طویل عمر پائی۔علی، محمد ،عون، اکبر، عباس، جعفر اور ام کلثوم اولاد ہیں۔ان کی اولاد جناب علی ابن عبداللہ سے آگے بڑھی۔انہی علی ابن عبداللہ ابن جعفر کی نسل اپنے آپ کو زینبی کہلواتی ہے۔عون ومحمد نے کربلا میں شہادت پائی۔عباس، جعفر اور ام کلثوم کے بارے میں کچھ واضح تفصیلات تاریخ وسیر کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

اسماء و اعلام

اسماء و اعلام کا اشاریہ

(الف)

اسماء

ابوالحسن الاشعری

ابو سفیان

احمد حنبل

اولاد (سید سجاد)

ابو مخنف

ابو اسحاق (مختار)

ابو عبید (مختار کے والد)

ابو امیہ (فرزند مختار)

ابو سلمی (بنت عبداللہ ابن عمر)

ابن کثیر

ابراہیم بن طلحہ

ابو عمرہ

اغانی

ابراہیم بن مالک

ابو ہاشم (فرزند محمد بن حنفیہ)

اسماء بنت عمیس

ابن تیمیہ

ابو حنیفہ

ابراہیم طباطبا

القاسم الرسی

ابو جعفر منصور

ابراہیم بن عبداللہ

اصفر (مقام)

اولاد جعفر صادق

افطح (فرزند جعفر صادق)

اسماعیل (فرزند جعفر صادق)

اسمعیلیہ

اسرار باطنیہ (موئیدا شیرازی)

الموت

ابو مسلم خراسانی

ابن مقنع

ابن مقنع

ابن عطاش

امید رودباری

احسائی (شیخ)

الفتاوی الکبری

ابو الخطاب

الکشی

اہل حق (فرقہ)

افلس (حسن)

اولاد حسن (امام)

ابراہیم بن محمد بن الحسین (راوی)

ابن سالم

ابن السوداء

ابن حرب

العسکریہ واقفہ

الواقفیہ لاادریہ

امضاء

اثنا عشریہ

ابو جعفر محمد نوبختی

ابن ندیم

ابن خلدون

الاہوازی

اعتقادیہ (رسالہ)

اشاعرہ

ائمہ اثنا عشر

ابراہیم بن صالح

ابن سلمہ

ابو سعید

ابو ہاشم

اولوالباب

اسمٰعیل سلام

ابن نوح

احمد بن ہلال

ابن نصیر

ابو جعفر محمد بن عثمان

ابوبکر البغدادی

اسمٰعیل نوبختی
ابو زید
ابن جنید
العمانی عقیل
ابن زہرا حلبی
ابن طفیل
اشارۃ النص
اقتضاء النص
ائمہ اربعہ اہل سنت
اخباری علماء
اردبیلی
افشاء العیون (مفید)
امالی

(ب)

باقر (پانچویں امام)
بحر خزر
بیان (منحرف شیعہ)
باخمری (میدان جنگ)
باطنیہ
بوہرہ
بہاء اللہ، باب
بابیہ، بہائیہ
باب
براکلماں
بداء
بہائی (شیخ)

(ت)

توابین
تبرہ
تولا
تعظیم سری
توقیع
تقلید

(ث)

ثارات الحسین (نعرہ)
ثورہ زید

(ج)

جسر
جارودیہ
جمل
جعفر طیار
جناحیہ
جوالیقیہ
جعفر بن نقی

(ح)

حسن بن موسی نوبختی
حجاج
حصین ابن نمیر
حلوان
حجر بن عدی
حمیری
حسن مثنی
حسن بن زید بن حسن
حاجر (میدان)
حجت صامت و ناطق
حسن بن صباح
حلولیہ
حشیشین
حماہ (مقام)
حسن افطس
حاکمیہ (فرقہ)
حدیث خاتون
حیان السراج

حسین ابن روح
حلی محقق
حر عاملی

(خ)

خالد بن عبداللہ
خزیر
خولہ بنت حنیفہ
خشبیہ
خالد قسری
خورشاہ
خطابیہ
خطط (مقریزی)
خارجی
خالصہ
خنیس (معلی)
خمس (سہم امام)

(د)

دومتہ (بنت وھب)
دعائم الاسلام
دروزیہ (فرقہ)
داؤدی
داؤد بن قطب شاہ
دلدار علی مذاق
داؤد بن علی
درب (مقام)

(ر)

رفاعہ بن شداد
رضوی (ر ض و ا)
راحۃ العقل (حمید الدین)
رافضی
رمیار
(سید) رضی و مرتضیٰ

(ز)

زین العابدین (سید سجاد)
(علی ابن الحسین)
زید ابن علی
زیاد ابن ابیہ
زید بن الخطاب
زیدیہ
زیاد بن منذر عبدی
زید بن حسن مثنی
زرارہ بن عیون
زین الدین (اصولی)

(س)

سعید ابن جبیر
سعد ابن مسعود
سعد بن حذیفہ
سرحوبیہ
سلمہ بن کہیل
سلیمانی (اسمعیلیہ)
سیدنا برہان الدین
سیدنا
سلطان محمد
اسٹراتھ مان
سالمیہ (فرقہ)
سبعیہ
سبائیہ
سبا (عبداللہ)
سردابیہ
سامرہ
سعد بن عبادہ
سلیم بن قیس
سمان (حفص)

(ش)

شباک

شیطانیہ

شیطان (محمد بن نعمان)

شیطان الطاق

شیخیہ (شیخ محمد)

شلمغانی

(ص)

صفیہ (بنت ابو عبید)

صرد (سلیمان)

صاحب الشرط (ابو عمرہ)

صدوق (شیخ)

صابیہ

صوائق محرقہ

صاحب بن عباد

(ط)

طالبین

طاق المحامل

طوسی

طاہر البغدادی

(ع)

عقیق

عبداللہ ابن زبیر

عامر بن مسعود ثقفی

عبدالملک

عبدالرحمن ابن اشعث

عبداللہ ابن جعفر

عبیدہ جراح (ابو)

عمر ابن علی (اطراف)

علی ابن الحسین

عیسی ابن زید

عبداللہ محض

عائشہ ام المومنین

عبداللہ بن عمر

عبداللہ ابن زیاد

عبداللہ سعد

عین الوردہ

عبداللہ بن یزید

عقرباء (جنگ)

عمرو بن سعد بن ابی وقاص

علی ابن محمد (فرزند محمد حنفیہ)

عمر بن یوسف (والی کوفہ)

عائشہ (حضرت حسن عسکری کی بہن)

عباسیہ (نہر)

عقبہ

عیسی بن موسی

عبداللہ بن معاویہ

عبداللہ افطح

عرید (مقام)

عبادات العلیہ

عمر خیام

عبیداللہ مہدی فاطمی

علی محمد باب

مکہ (مقام)

علی اللہی

عیسی بن موسی

علی اصغر بن علی ابن الحسین

عمار علی سونی پتی

عبدالوہاب (وہابیہ)

عیسی رواسی

علی بن محمد سمری

(غ)

غلاہ

غیبت

غالب الزراری

غیبت طولی

(ف)

فرق الشیعہ (نوبختی)

فزاری

فروہ (بنت قاسم بن محمد)

فطحیہ

فراتیہ (نمیریہ)

(ق)

قصی (شجرہ عبد مناف)

قاسم بن محمد بن ابی بکر

قاضی نعمان

قرمط (احمد) قرامطہ

قاہر باللہ

قاسم البلخی

(ک)

کریبیہ

کیسانیہ

.

.

کاظم رشتی

کردی قبائل

کلثوم (دوسرے نائب امام کی بیٹی)

(ل)

لائیڈن

لواعج الاحزان

(م)

مناقب شہر آشوب

مسلم بن عقبہ

مصعب

محمد ابن حنفیہ

.

.

محمد نفس زکیہ

مختار ثقفی

مسلم بن عقیل

مسعودی

مذار (جنگ)

موالی

مختاریہ

محمد بن ابی بکر

منہاج السنہ

مترزع

مہدی منتظر (دعویدار)

مغیرہ (متکلم)

.

.

مولائی (فرقہ) ۹

مستعلی

مستنصر باللہ (اسمعیلی)

مومن شاہ

مرزا حسین علی نوری

مشرق الاذکار

معرفۃ الرجال (الکشی)

موسیٰ کاظم (امام ۱۰

موسیٰ بن تقی

مومن طاق

مفضل

محمد بن نعمان
معتزلہ
معتمد باللہ
محمد بن نقی
مقالات الاسلامیین
محسن الامین
مفوضہ
محسن الحکیم
مقصرین
محمد بن ابی عمیر
مفید
متاولہ مبارکیہ

(ن)

نصیبین
ناصر الاطروش
نفس زکیہ
نزری

نظام الملک طوسی
نصیریہ
نمیر
نفیسیہ
نفیس (غلام)

نص
نوابین عصر
نوبختی امراء

(ہ)

ہشام
ہشام بن سالم
ہشام بن الحکم
ہشمویہ

(و)

واقفیہ
وکلاء اربعہ
وکلائے امام
وسائل الشیعہ

(ی)

یحییٰ
یعقوب کلینی
یونسیہ
یونس بن یعقوب
یقطین

حوالہِ
کُتب

اس کتاب کی تدوین میں بعض خصوصی حوالے

کتاب	مصنف	طبع
الارشاد	شیخ مفید	انگریزی متن، محمدی ٹرسٹ لندن
اصول کافی	ترجمہ، ظفر حسن	شمیم بک ڈپو کراچی سن نامعلوم
اصل و اصول شیعہ	شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء	لاہور، اردو ترجمہ ۱۹۵۷ء
الفرق بین الفرق	عبدالقادر بن طاہر البغدادی	طبع بدر، قاہرہ ۱۳۲۸
الاعیان الشیعہ	محسن الامین عاملی	بیروت ۱۹۲۰ء
الملل والنحل	شہرستانی	طبع .... ایران
تاریخ الامم والملوک	ابی جعفر محمد بن جریر طبری	(۸ جلدیں مکمل) مکتبہ اشقامہ اردمیہ قاہرہ ۱۹۳۹
تاریخ اعثم کوفی	اعثم کوفی	تعمیر ادب لاہور سن نامعلوم
تاریخ ابوالفداء	(ترجمہ) کریم الدین	تعمیر ادب پیسہ اخبار لاہور ۱۹۶۸ء
"تہذیب"	ابن عساکر	طبع مصر سن نامعلوم
ثورہ الزید بن علی	ناجی حسن	بغداد ۱۹۶۶ء
History of Islam	سید حسن رضا شاہ جلالی	انگریزی متن کراچی سن نامعلوم
چہاردہ معصومین	محمد فضل علی ایڈووکیٹ، بدایونی	کراچی سن نامعلوم
چودہ ستارے	مولوی نجم الحسن کراروی	شیعہ بک ایجنسی لاہور ۱۹۷۳ء
چہار دہ معصوم (زندگی)	حسین عماد زادہ	تہران : ۱۳۸۰ء قمری
دائرہ المعارف الاسلامیہ	پنجاب یونیورسٹی لاہور	مکمل ۲۳ جلدیں
زید شہید	احمد حسن زیدی	۱۹۷۹ء لاہور
زید بن علی	مقالہ خصوصی مرتضیٰ	.
	حسین فاضل	جلد ۱۰ دائرہ المعارف پنجاب یونیورسٹی

زید (الامام الزید)	ابو زہرہ	مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۹ء
Shiaite Anthology	محمدی ٹرسٹ لندن	انگریزی متن
شیعہ Shiah	سید محمد حسین طبا طبائی	انگریزی متون سن نامعلوم
Shia Encyclopaedia	حسن الامین بیروت	۱۹۷۰ء
شہید انسانیت	علی نقی نقوی	امامیہ مشن لاہور ۱۹۷۱ء
عبداللہ ابن سبا (ابن سودا)	سید محمد باقر	کھجوا بہار دھند طبع دیگر تعمیر ادب لاہور سن نامعلوم
عمدہ البیان	عمار علی سونی پتی	طبع (دیگر) ملتان سن نامعلوم
غیبت امام Occultation of Twelfth Imam	M. Jaassim Husain	انگریزی متن ۱۹۸۲ء محمدی ٹرسٹ لندن
فرق الشیعہ	حسن نو بختی	نجف سن نامعلوم
منتخب التواریخ	حاجی محمد ہاشم خراسانی	تہران سن نامعلوم
مقالات الاسلامیین	ابوالحسن الاشعری	استنبول ۱۹۲۹ء
محمد بن ابی بکر	مرزا محمد عالم	دار النشر لکھنؤ سن نامعلوم
مروج الذہب	مسعودی ج (۳)	قاہرہ ۱۹۴۸ء
مسئلہ تقلید	ڈاکٹر اسد اریب	حسن آرکیڈ ملتان چھاؤنی ۸۹-۱۹۹۰ء
مناقب ال ابی طالب	محمد علی ابن شہر آشوب	بمبئی ۱۳۱۳ھ
نہج البلاغہ	ترجمہ مفتی جعفر حسین	طبع غلام علی لاہور
History of the Arabs	Hitti	انگریزی متن

مصنف کی مطبوعہ کتابیں

۱ بچوں کا ادب (تحقیق و تنقید)

۲ الف سے ی تک (بچوں کے ادب کی تاریخ)

۳ نئے رجحانات (بچوں کے ادب)

۴ نقد انیس (میر انیس کے محاسن کلام کا جائزہ)

۵ اردو مرثیے کی سرگزشت (مرثیے کے اسالیب کا جائزہ)

۶ زمانہ سفر میں ہے (سفرنامہ)

۷ کانٹوں پر زبان (تحقیقی مضامین)

۸ مسئلہ تقلید (فکر مذہب کے حوالے سے)

۹ ارشاد الاریب (تاریخ فرق کا ایک پہلو)